سلسلۂ مطبوعات مجلس
۹۲

منصبِ نبوت

اور

اس کے عالی مقام حاملین

جس میں بنی نوع انسان اور تمدن انسانی پر نبوت کے احسانات، انبیاء کرام کی امتیازی خصوصیات، نبوت کے پیدا کردہ ذہن و مزاج اور طریقۂ فکر، نبوت کے تیار کردہ انسانی نمونوں، نیز نبوتِ محمدی کے لافانی کارناموں اور ختم نبوت کی ضرورت و اہمیت اور اس کے دور رس، عمیق اور انقلاب انگیز اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

بار دوم

۱۳۹۸ھ-۱۹۷۸ء

کتابت .. .. ظہیر احمد کاکوروی

طباعت .. .. لکھنؤ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ (فوٹو آفسٹ)

صفحات ۲۹۲

قیمت .. .. چودہ روپے ۱۴

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دار العلوم ندوۃ العلماء)

منصبِ نبوت

اور

اس کے عالی مقام حاملین

عربی "النبوۃ والأنبیاء فی ضوء القرآن"

زبان	نام	ایڈیشن	مقام	سنہ
		چھ ایڈیشن	(لکھنؤ، جدہ، قاہرہ، دمشق، و بیروت)	۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۵ء
"	"النبی الخاتم"	دو ایڈیشن	(لکھنؤ و قاہرہ)	۱۹۷۵ء
اردو		پہلا ایڈیشن	(لکھنؤ)	۱۹۷۵ء
"		دوسرا ایڈیشن	(کراچی)	۱۹۷۵ء
"		تیسرا ایڈیشن	(لکھنؤ)	۱۹۷۸ء
انگریزی		پہلا ایڈیشن	"	۱۹۷۶ء

فہرست

عنوان	صفحہ

مقدمۂ مؤلف

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی، امابعد!

شعبان ۱۳۸۲ھ (دسمبر ۱۹۶۲ء) کی کوئی تاریخ تھی کہ مدینہ یونیورسٹی (جامعہ اسلامیہ) کے وائس چانسلر فضیلت مآب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ[1] کا تار ملا جس میں انھوں نے مجھے مہمان استاذ (VISITING PROFESSOR) کی حیثیت سے دعوت دی تھی کہ وہاں عالم اسلامی کے مختلف گوشوں سے آئے ہوئے طلبہ کے سامنے کچھ مقالات پڑھوں، میں نے شکریہ کے ساتھ اس کریمانہ دعوت کو قبول کیا، مجھے مسلم نوجوانوں کے ایسے منتخب مجمع سے خطاب کرنے کا یہ خداداد زریں موقع غنیمت بلکہ نعمت معلوم ہوا، میرے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ اس مقدس شہر میں نئی نسل کے صاف ذہنوں میں صالح اقدار کا بیج بٹھایا جائے، یہ ذہن کی تعمیر اور سیرت کی تشکیل کی ایک حقیر کوشش تھی، جو ایک زیر بار احسان اور گنہگار امتی اپنے سب سے بڑے محسن اور محبوب کے شہر میں کرنے جا رہا تھا، اور یہ وہ حقیر نذرانہ تھا جو وہ اس موقع پر پیش کر سکتا تھا۔

میں نے اپنے محاضرات (خطبات) کے لئے "نبوت اور انبیاء، قرآن کی روشنی میں" کا موضوع منتخب کیا، یہ موضوع دفعۃً اور اتفاقاً نہیں اختیار کیا گیا تھا، بلکہ اس کا خیال میرے دل میں عرصہ سے کروٹیں لے رہا تھا، میرا مستحکم عقیدہ ہے کہ یہ ان اہم مباحث اور تحقیقات میں ہے، جن کی نئی نسل کو خاص طور پر ضرورت ہے، میرا یقین ہے کہ ملت کے اس رہنما اور سربراہ طبقہ کی

---

[1] حال چانسلر مدینہ یونیورسٹی، و صدر رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ۔

(جو ملت کی فکری، علمی اور سیاسی قیادت کر رہا ہے) موجودہ بے راہ روی، اسلام کی صحیح روح سے بُعد، آسمانی مذاہب کے مخالف مادی اقدار کی غلامی، مصنوعی طریقوں اور مغربی طرز فکر سے وابستگی اور اس کے اثر سے اسلام کی ایک نئی تعبیر اور دین کی ایک نئی تفہیم کو دنیا کے سامنے پیش کرنا، منہاج و مزاج نبوت سے ناآشنائی اور اس کی اصل قدر و قیمت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اس طبقہ کو معلوم نہیں کہ زندگی، تہذیب و تمدن اور عقل انسانی پر نبوت کے احسانات کیا ہیں، اس نے دنیا کو کیا عطا کیا، اور اس سے نئی نسل نئے تمدن کا رشتہ منقطع ہو جانے سے زندگی اور انسانی معاشرہ کس غلط راستہ پر پڑ گیا ہے، اور وہ تباہی کے کس عمیق و مہیب غار کی طرف رواں دواں ہے۔

یہ مبارک دعوت ایک مبارک سمت سے آئی تھی، لہذا اس نے دماغ کو ممنون تازہ کر دیئے، طبیعت پر جو عرصہ سے افسردگی اور جمود کا شکار تھی ایک مہمیز کا کام دیا، موضوع کی اہمیت اور مقام کی محبوبیت، مصروفیت کے تمام حیلوں بہانوں پر غالب آئی، اگر یہ نسبت گرامی نہ ہوتی تو یہ کام کسی دوسرے وقت پر ٹل جاتا، جیسا کہ بہت سے ضروری کام، وقتی تقاضوں اور ضرورتوں کی بنا پر ملتوی ہوتے رہتے ہیں، مجھے یقین تھا کہ اس اہم موضوع سے متعلق کچھ کہنے کی بہترین جگہ مدینہ منورہ ہی ہو سکتا ہے، جہاں انسانی ہدایت کے لئے وحی و نبوت کے ذریعہ آسمان کا زمین سے آخری بار رابطہ قائم ہوا تھا۔

میں نے ان خطبات کا اکثر حصہ رمضان ۱۳۸۲ھ (جنوری ۱۹۶۳ء) میں اپنے چھوٹے سے گاؤں[1] میں لکھا جہاں کوئی کتاب خانہ اور لائبریری دور دور موجود نہیں، چنانچہ میں نے ان خطبات کی تحریر و ترتیب میں قرآن مجید کو بنیاد بنایا، جس سے مسلمانوں کا کوئی گھر اور قریہ خالی نہیں، اور رمضان المبارک جس میں یہ مبارک سلسلہ شروع کیا گیا تھا، اس کا موسم بہار اور جشن نزول ہے، اور اس زمانہ میں پوری فضا اس سے معمور و منور ہوتی ہے، البتہ کبھی کبھی بعض مآخذ سے کام لینے کیلئے یا کسی خیال کی وضاحت اور کسی قول کی تائید کی خاطر ندوۃ العلماء لکھنؤ کے وسیع کتب خانہ سے کتابیں طلب ... کر لیا کرتا تھا، اس طرح چھ خطبات تیار ہو گئے، جو الگ الگ عنوان کے تحت لکھے گئے

---

[1] دائرہ شاہ علم اللہ، رائے بریلی، جو عام طور پر تکیہ کلاں کے نام سے مشہور ہے۔

اور جن میں بعد کو بہت معمولی اضافہ کیا گیا، مدینہ منورہ شوال ۱۳۸۲ھ (فروری ۱۹۶۳ء) حاضری ہوئی اور خطبات کا سلسلہ ذوالقعدہ ۱۳۸۲ھ (مارچ ۱۹۶۳ء) میں شروع ہوا خطبات ہفتہ میں دوبار کی ترتیب سے جامعہ اسلامیہ کے لکچر ہال میں عشاء کی نماز کے بعد پڑھے جاتے تھے، خطبات کی تمہید و تعریف استاذ عطیہ محمد سالم (مدیر تعلیمات جامعہ مدینہ)[1] کا ہوتی اور آخر میں شیخ عبدالعزیز بن باز خطبہ پر تبصرہ اور اظہار خیال فرماتے خطبات کے سننے والوں میں طلبہ کے علاوہ مدینہ منورہ کے معززین، اہل علم اور جامعہ کے اساتذہ کی ایک خاصی تعداد ہوتی تھی۔

اب یہی خطبات کتابی شکل میں شائع ہو رہے ہیں جنہیں ہم کوئی نئی تحقیق یا علم و نظر کی کوئی نئی دریافت تو نہیں کہتے لیکن ان میں فکر و خیال کے لئے روشنی اور ذہن و شعور کی بیداری کا سامان ضرور ہے اس کو ایک زیادہ پر مغز کتاب اور ایک محققانہ بحث کا ابتدائی خاکہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

خطبات کی زبان ادبی اور ہلکی پھلکی رکھی گئی ہے، اور علم کلام و عقائد کے ثقیل اسلوب سے پرہیز کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ کتاب کچھ ایسے اشارات و حقائق پر مشتمل ہے جو گہرے غور و فکر کو دعوت اور موجودہ مسلم معاشرہ میں جو ایک عبوری مرحلے سے گزر رہا ہے اور اقدار و افکار کی تند و تیز کشمکش سے دوچار ہے، غور و فکر کا پیغام دیتے ہیں۔

اس کتاب کے عربی میں چھ ایڈیشن علی الترتیب لکھنؤ، قاہرہ، جدہ، اور دمشق سے شائع ہوئے اردو میں پہلی بار اس کا آزاد ترجمہ ترمیم و اضافہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، مصنف کے ذہن و فکر میں جو نئے گوشے اور بحث و نظر کے جو نئے پہلو سامنے آئے، یا جس اجمال کی تفصیل، یا جن اشارات کی توضیح اس سے ضروری سمجھی، ترجمہ پر نظر ثانی کرتے وقت ان سے پورا فائدہ اٹھایا، ترجمہ پر (جو اس کے دو عزیز رفیقوں کا کیا ہوا ہے) اس نے مصنف ہونے کے حق اور عمر و تجربہ کے فرق سے کام لیتے ..... ہوئے آزادانہ تصرف کیا، اور ہندوستان کے ممتاز ترین عارفین و محققین کی تحقیقات

---

[1] حال نائب رئیس القضاۃ مدینہ منورہ۔

اور ان کی تصنیفات کے اقتباسات کا اضافہ کیا، جو عربی محاضرات میں شامل نہیں کئے جاسکے جس سے ترجمہ نے ایک مستقل کتاب کی شکل اختیار کرلی اور اس کو اب ترجمہ کے بجائے تصنیف کہنا زیادہ صحیح ہوگا، اس طرح کتاب کا یہ نقش ثانی، قدرتاً نقش اول سے زیادہ مفید اور مکمل بن گیا۔

خطبات کا یہ سلسلہ "شیخ ہجری کا کارنامہ" کے عنوان سے آخری خطبہ پر ختم ہوجاتا تھا موضوع کا مزاج اور وقت کی ضرورت تقاضا کرتی تھی کہ خطبات کے اس سلسلہ کا اختتام "ختم نبوت" کی بحث اس کی ضرورت اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے عقلی و نقلی ثبوت پر ہو، جو صحیح معنی میں اس سلسلہ کا "مسک الختام" اور اس گفتگو میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن مصنف کچھ تو وقت کی کمی اور کچھ اس احساس کی بنا پر کہ یہ موضوع زیادہ تفصیل سے بحث ونظر کا طالب ہے، اور اس کے لئے زیادہ فرصت درکار ہے ایسے موضوع کو کسی دوسرے وقت پر اٹھا رکھنا، اس کو تشنہ اور ناتمام چھوڑنے سے زیادہ مناسب معلوم ہوا اب اس میں صاف خدا کی حکمت نظر آتی ہے، کہ اس موضوع پر اس وقت قلم اٹھایا گیا، جب قادیانیت کے مسئلہ نے (جس کی روح "ختم نبوت" کا انکار ہے) ایک بار ۱۹۷۴ء کے وسط میں ساری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا، پھر ستمبر ۱۹۷۴ء میں حکومت پاکستان کے عقیدہ "ختم نبوت" کے انکار کی بنیاد ہی پر قادیانی جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے اعلان نے ایک بار پھر اس سوال اور جستجو کو زندہ اور تازہ کردیا کہ عقیدۂ "ختم نبوت" کی اسلام کے عقائد و شریعت میں اتنی اہمیت کیوں ہے، کہ اس کی بنا پر ایک ایسی جماعت کو جو نہ صرف اسلام، بلکہ خدمت اسلام کی بھی مدعی ہے، خارج از اسلام قرار دیا جائے؟ ان واقعات اور ماحول نے ذہن اور اس کی ساری توانائیوں کو اس مسئلہ پر اس طرح مرکوز کردیا اور اس سوال کا مدلل طریقہ پر جواب دینے کو اس طرح قوائے فکریہ

اور قلب و دماغ پر طاری و مستولی کر دیا کہ مصنف ایک طویل عرصہ تک کوئی دوسرا علمی و تحقیقی کام نہیں کر سکا، اس مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجہ میں وہ مضمون تیار ہوا، جو اس سلسلہ کی آخری کڑی اور اس کتاب کا اختتامی مضمون ہے، اور جس پر صحیح معنی میں کتاب کی تکمیل ہوتی ہے، ان دو آخری مضامین کو کتاب سے ہم رنگ بنانے کے لئے خطبہ ہی کی زبان اور اس کا عنوان اختیار کیا گیا ہے، ورنہ یہ اصلاً مقالہ کی شکل میں تھے۔

مصنف عزیز گرامی مولوی نور عظیم صاحب ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے ان خطبات کے ترجمہ کا آغاز کیا، جو ابتداءً مضامین کی شکل میں "الہدیٰ" دربھنگہ کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے، افسوس ہے کہ وہ اپنی تعلیمی و تحریری مشغولیتوں کی وجہ سے اس سلسلہ کی تکمیل نہ کر سکے، فاضل عزیز مولوی شمس تبریز خاں رفیق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، اردو داں طبقہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کی اہمیت و افادیت کو محسوس کیا اور مجھ سے اس کے ترجمہ کی تکمیل کی اجازت لی، مجھے اس میں بہت شبہ تھا کہ اس کتاب کی تاثیر و طاقت اردو میں ترجمہ ہونے کے بعد بھی قائم رہے گی، لیکن ان دونوں عزیزوں نے اس میں قابل تعریف حد تک کامیابی حاصل کی۔

اب یہ کتاب اس امید و دعا کے ساتھ برصغیر ہند و پاک کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے پیش کی جا رہی ہے کہ وہ اس کو پڑھ کر اپنے پورے فکر اور اپنی کوششوں کا جائزہ لیں گے، اپنے پورے فکر و عمل کو اس مزاج و منہاج سے اگر مطابق نہیں تو قریب تر کرنے کی کوشش کریں گے، جس کو انبیاء کرامؑ اور ان کے سرگروہ اور خاتم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت حاصل ہے، اور خدا کے یہاں صرف وہی طریقہ مقبول، اور حقیقی کامیابی کا ضامن ہے۔

ابوالحسن علی

دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی

۳ اپریل ۱۹۸۰ء

پہلا خطبہ

نبوت، انسانیت کو اسکی ضرورت اور تمدن پر اسکا احسان

مقام کی موزونیت

حضرات! اس جگہ جہاں اس وقت ہم آپ جمع ہیں، موزوں ترین گفتگو، انسانیت کو نبوت کی ضرورت اور تمدن پر اس کے احسان سے متعلق ہو سکتی ہے، جس میں ان برگزیدہ نبیوں کا ذکر ہو جنھیں اللہ تعالےٰ نے نبوت کا اعزاز بخشا اور ان کی عند اللہ مقبولیت، ان کا مرتبہ و مقام، مخلوق پر عظیم احسان، اور زندگی پر ان کے گہرے اثر کا تذکرہ ہو، اور پھر امام المرسلین، خاتم النبیین کا ذکر خیر ہو جن کو اللہ تعالےٰ نے آخری رسالت اور ابدی و عالمگیر نبوت سے سرفراز و ممتاز کیا، اور جنھیں دائمی قیادت و امامت، ابدی و عالمی شریعت، اور محفوظ و زندہ کتاب عطا کی گئی اور ساری انسانیت کی سعادت و نجات (طبقاتی اور زبانی اختلاف کے باوجود) اُنؐ پر ایمان اور ان کی اتباع پر موقوف کر دی گئی اور جن کی ہجرت اور آخری قیام گاہ کے لئے اس پاکیزہ شہر کو انتخاب کیا گیا، جہاں وحی و رسالت کے سلسلہ سے آسمان کا زمین سے آخری بار اتصال ہوا۔

چنانچہ جس شخص کو یہاں کچھ فرصت گفتگو ملے اور جسے یہ اعزاز عطا ہو، اس کو اپنی اس عظیم اور

نازک ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کس مقام سے خطاب کر رہا ہے کیا اس کے لئے
جائز ہے کہ وہ اس "مقام محمود" کے تقاضوں سے صرف نظر کر کے اپنی گفتگو کے لئے کسی اور موضوع
کا انتخاب کرے؟ یہ ایمان اور شعور حسن و احسان کا بھی تقاضا ہے، عرب شاعر نے شاید اسی موقع
کے لئے کہا تھا ے

ولما نزلنا منزلاً طلّہ الندی   انیقاً وبستاناً من النور حالیا

أجدّ لنا طیبُ المکان وحسنُہ   مُنی، فتمنینا، فکنت الأمانیا

(اور جب ہم ایک شبنم سے شاداب اور خوش منظر مقام اور کلیوں سے آراستہ باغ میں اترے
تو مقام کے حسن و پاکیزگی نے ہمارے دل میں کچھ تمنائیں بیدار کر دیں، ہماری ان تمناؤں کی جان تم ہی تھے)

جامعہ کی پہلی ذمہ داری

عالم اسلام میں کسی بھی درسگاہ کی خواہ وہ مدینۃ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں کیوں نہ
قائم ہوا یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے جس سے
بڑھ کر اللہ تعالے نے کوئی نعمت نہیں اتاری، اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ اس کے سرگرم
حامیوں اور داعیوں میں ہو اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت، ارتداد، اور انقلاب کے پرچم
ہر طرف لہرا رہے ہیں، وہ لوائے محمدی اور خیمۂ مصطفوی کے سایہ میں آجائے، اور زندگی کے ہر محاذ پر
خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو یا علمی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی، اسلام کی سربلندی
کے لئے اپنے کو وقف کر دے۔

کسی بھی اسلامی دانش گاہ کے فارغین و متوسلین کا دائمی شعار اور ان کا سب سے گرانقدر
مقصد، نبوت اور اس کے طریقہ کار کا ہر فکر و فلسفہ، مذہب و مسلک فکر کے ہر ڈھنگ، زندگی کے

ہر رنگ اور انسانیت و تمدن کے ہر آہنگ پر ترجیح دینا اور اسے برتر سمجھنا چاہیے۔

یہ بنیادی ذمہ داری ان تمام علمی مطالبات اور مشغولیات سے زیادہ اہم اور مقدم ہے، جن کی طرف مسلم دانشگاہیں اور جامعات توجہ کرتی ہیں اور جن امتیازات و خصوصیات کا وہ دم بھرتی ہیں، کیونکہ اگر کوئی نہ ختم ہونے والی اور حقیقی فیصلہ کن جنگ ہے تو وہ نبوت و جاہلیت کی جنگ ہے، وہ جاہلیت جس کی نمائندگی مغرب کر رہا ہے اور وہ اسلام (دین حق) جس کا علمبردار تنہا مسلمان رہ گیا ہے اس جنگ کے سوا تمام جنگیں نقلی اور خانہ جنگیاں ہیں جن میں ایک ہی خاندان کے لوگ کسی معمولی سی چیز پر لڑ پڑتے ہیں، یا جیسے بچے اپنی کم عقلی سے جھگڑ بیٹھتے ہیں، لیکن فکر و نظر کی دائمی جنگ، جاہلیت و نبوت کے درمیان ہی ہے۔

ان پہلوؤں سے بھی یہاں کی موقر مجلسوں کا آغاز (جس کا آج پہلا دن ہے) اسی گفتگو سے ہونا چاہیے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا شہر، اسلام کا گہوارہ، ایمان کا مرجع، وحی کا مہبط و ماویٰ اور نبوت کے طویل سفر اور عظیم تاریخ کی آخری منزل ہے

زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت

آج ہر علمی ادارہ، ہر بڑی دانشگاہ، یورپ کی یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں، اقوام متحدہ اور اس کے عالمی ثقافتی ادارہ یونسکو اور ہر جگہ اس موضوع کی ضرورت ہے اس لئے کہ خوش بختی اور امن و خوش عیشی کی تمام سہولتوں کے باوجود انسانیت کی بدقسمتی اور موجودہ تمدن کی تیرہ بختی، یہ ہے کہ اس کے سربراہ نبوت و انبیاء کی تعلیمات کے باغی ہیں، اور زندگی و تمدن کی داغ بیل غیر نبوی خطوط پر ڈال رہے ہیں، اور اس اعزاز خداوندی سے بے نیازی و بے پروائی برت رہے ہیں، جو نبی امی کو عطا ہوا تھا، اور زبان حال و قال سے گذشتہ جاہلی قوموں کے اس متکبرانہ قول کو دہرا رہے ہیں، جو

قرآن مجید نے نقل کیا ہے "أَبَشَرٌ يَهْدُونَنَا" (کیا ہمارے ہی جیسے انسان ہم کو ہدایت دینے چلے ہیں) ۔ایک امی ہمیں علم سکھائے گا، ایک فقیر بے نوا ہمیں خوشحال کرے گا، اور ایک بادیہ نشین ہمیں مہذب بنائے گا؟۔

لیکن جب بد قسمتی سے یا ناسازگار حالات کے سبب اگر ہم یہ باتیں یورپ، امریکہ اور ایشیا کی پرشکوہ یونیورسٹیوں میں نہیں کر سکتے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں ایسے موضوع بحث نہ بنائیں، اور کیوں نہ ہو یہ مدینہ منورہ ہی تھا جو ہمیشہ معنوی اور گرانقدر قدار کی تخم ریزی کی زمین اور وہ مبارک خطہ رہا ہے، جو ان کے حق میں ہمیشہ زرخیز ثابت ہوا ہے، اور جو اس فرمان خداوندی کا صحیح مصداق ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ[1] — اور (دیکھو) اچھی زمین، اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے۔

یہاں جو بات کہی گئی ہے، پوری دنیا میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے۔

نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں

متکلمین کی روح سے معافی چاہتے ہوئے میں کہوں گا کہ علم کلام و کتب عقائد کی نظر نبوت و انبیاء کے بارہ میں کوتاہ اور محدود تھی، اس نے نبوت کو ایک طرح سے ایسا جامد و محدود عقیدہ سمجھا جس کا عقائد کے محدود دائرہ کے علاوہ زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن علم کلام کی مجبوری، اس کا محدود علمی دائرہ، ایک مخصوص تعلیمی ضرورت بھی تھی، اس لئے ہمیں نبوت و انبیاء کو قرآن کی روشنی میں اور قرآن کی نظر سے دیکھنا چاہیے ______

---

[1] سورۂ اعراف ـ ۵۸

——— اور اس کتاب حکیم کے واسطے سے نبوت کے امکانات و مضمرات اس کے وسیع افق اس کی گہرائیوں اور زندگی کے اندر اس کی اتری ہوئی جڑوں، قلب و نظر، اخلاق و رجحانات پر اس کے اثر و سیرت سازی، معاشروں اور تمدنوں کی تشکیل و قیادت بلکہ ایک مخصوص و ممتاز اور جاہلیت کے مقابل و متوازی تہذیب کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں اس کے بنیادی کردار پر غور کرنا چاہیئے۔

شوق انگیز اور محبوب موضوع

ہم جب اس مقصد سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ادب و حکمت اور فن و ہنر اور شخصیات کی ایسی تصویریں اور ایسے شاہکار نمونے آتے ہیں، جن سے زیادہ خوبصورت تخلیق شاید اس کائنات میں کوئی نہیں۔

انبیاء کے ذکر میں قرآن کا اسلوب، زندگی سے لبریز، بشارت و مسرت سے بھرپور اور محبت سے سرشار نظر آتا ہے، گویا وہ ایک محبوب کی داستان شوق اور ذکر جمیل ہے، جس میں جتنا بھی طول، وسعت، تنوع اور شاخ در شاخ کی کیفیت ہو کم معلوم ہوتی ہے، گویا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

میرا یقین ہے کہ جسے بھی مذاق سلیم، ذوق جمال اور جذبۂ محبت کا کوئی حصہ ملا ہے، وہ اس تذکرہ سے لطف اٹھائے گا، اور اس اسلوب کا مزا محسوس کرے گا، سنئے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر کس محبت و حلاوت کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ	بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرماں
حَنِيفًا ۚ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○	بردار تھے، مشرکوں میں سے نہ تھے، اس کی نعمتوں کے
شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ	شکر گزار تھے، خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور اپنی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝[1]

سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو، جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاحظہ فرمائیں۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۖ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں، بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے اور ہم نے ان کو اسحاقؑ و یعقوبؑ بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوحؑ کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی، اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا

---

[1] النحل ۱۲۰، ۱۲۳

يَهْدِي بِهِ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝[1]

اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا، یہ خدا کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضایع ہو جاتا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا۔۔۔ فرمائی تھی، اگر یہ کفار ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر ایمان لانے کے لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں۔

برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے

قرآن کبھی انبیاء کا ذکر اصطفاء و اجتباء (برگزیدگی) اور محبت و رضا کے الفاظ سے کرتا ہے اور کبھی بہترین تعریفوں اور عقلی، اخلاقی اور عملی صلاحیتوں کا انھیں حامل قرار دیتا ہے، یہ سب ظاہر کرتی ہیں کہ انبیاء خلاصۂ مخلوقات اور انسانیت کے کامل نمونے اور خدا کی پیامبری اور دعوت دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باصلاحیت اور باہمت افراد ہوتے ہیں۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۝[2]

اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کون سا محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔

---

[1] الانعام ۸۳-۸۹ [2] الانعام ۱۲۵-

حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ۔[۱]	اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔

وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا۔[۲]	اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔

اور ارشاد ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ۔[۳]	اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

اور حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا گیا۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ۔[۴]	بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور حضرت اسماعیلؑ کے لئے ارشاد ہوا۔

وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔[۵]	اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ تھے

اور حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي۔[۶]	اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے۔

---

[۱] الانبیاء ۵۱ [۲] النساء ۱۲۵ [۳] الصفّٰت ۱۰۸-۱۱۱ [۴] ہود ۷۵
[۵] مریم ۵۵ [۶] طٰہٰ ۴۱۔

اور کہا گیا۔

وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔[۱]

اور موسیٰ میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔

مزید ارشاد ہوا۔

اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ۔[۲]

میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔

حضرت داؤدؑ کے بارے میں کہا گیا۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝[۳]

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے اور بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے

اور ان کے صاحبزادے حضرت سلیمانؑ کے لئے ارشاد ہوا۔

نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝[۴]

بہت خوب بندے تھے اور رجوع کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت ایوبؑ اور انبیا کی آبرومند جماعت کا خصوصی انداز محبت و اکرام اور صفات عالیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَی الدَّارِ

اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کو یاد کرو جو طاقت و بصیرت والے تھے ہم نے ان کو ایک صفتِ خاص آخرت کے گھر کی یاد سے

---

۱ طٰہٰ ۳۹ ۲ الاعراف ۱۴۴ ۳ ص ۱۷ ۴ ص ۳۰۔

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ[1] ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

میں نے اس عزیز و لذیذ گفتگو میں (اس علم کے باوجود کہ آپ حضرات قرآن کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں، اور میری معروضات آپ کے لیے نئی اور انوکھی چیز نہیں) درازنفسی سے اس لئے کام لیا تاکہ آپ کے ذہنوں میں اللہ کے نزدیک انبیاء کی بلند مقامی اور قدر و منزلت اور ان کے سلسلہ میں قرآن کی اعلیٰ ترین تعریف و توصیف کو مستحضر کردوں، جس میں قرآن نے انھیں مکارم اخلاق، محاسن و فضائل اور بہترین صلاحیتوں کا حامل بتایا ہے۔

قدرتی سوال

اس دنیاوی زندگی میں، جہاں معلومات حاصل کرنے اور اغراض اور ضروریات کو پورا کرنے کا دار و مدار انسان کے ظاہری حواس اور عقلی صلاحیتوں پر ہے، اور جو زندگی اسی پر اعتماد کرتی ہے، سلسلۂ نبوت اور انبیائے کرام کا کیا مقام ہے؟ اور دوسرے علماء و عقلاء سے انبیاء کس بنا پر ممتاز ہوتے ہیں، اور کیوں صرف انھیں کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے حقائق سے متعلق گفتگو کریں، اور ایسی خبریں سنائیں جن تک نہ تیز ترین احساسات پہنچ سکتے ہیں، نہ ذکی ترین عقلوں کی رسائی ہے، حالانکہ سب ایک ہی ماحول میں پلے بڑھے ہیں، اور ایک ہی سرزمین پر زندگی گزارتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چیزیں دیکھ لیتے ہیں، جو ان کے زمانے کے عبقری اور فوق العادۃ صلاحیتوں والے بھی نہیں دیکھ سکتے اور یہ ان دیکھی چیزیں صبح کے اجالے کی طرح واضح اور روشن ہو جاتی ہیں، اور ان کی پیشین گوئی پوری اترتی ہے؟

---

[1] ص ۴۵ تا ۴۷

یہ ایک قدرتی سوال ہے، جو ہر نبی کی بعثت پر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا، اور دل و دماغ پر چھا گیا، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا، اور تبلیغ و اصلاح کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپ کو بھی اس سوال کا سامنا کرنا ضروری تھا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر جو موقف اختیار کیا اور جس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کو حل کیا وہ آپ کے لافانی معجزات میں سے ایک ہے۔

عرب قوم اور بالخصوص وادی مکہ کے بسنے والے ایک مدت سے دقیق مسائل علمی اصطلاحات اور فلسفیانہ مباحث سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے تھے لیکن ذہن کی تیزی، سلامت فہم، صداقت کے اعتراف اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ممتاز اور فائق تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس زندگی میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ ان کو دوسروں کے مقابلہ میں جو حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعہ علم کے مالک نہیں، ان دیکھی حقیقتوں کے اظہار کا حق کیوں حاصل ہے، اس کی تشریح آپ نے اس انداز میں فرمائی، جس میں عربوں کے اس ممتاز وصف کا پورا لحاظ ہے، آپ کا یہ حکیمانہ انداز ائمہ کلام اور علمائے فلسفہ کی ہزاروں دلیلوں سے کہیں زیادہ موثر اور دلنشین تھا، آپ نے اس کے لئے جو ترتیب اور طریقہ کار اختیار کیا اور جن مقدمات سے کام لیا وہ مخاطبین کی فطرت سلیم، ان کی عقلی و علمی سطح اور موقع و محل سے پوری مطابقت رکھتے تھے، انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ ہے، کہ وہ اپنی نبوت کے احقاق و اثبات میں بناوٹ، تکلف اور استعارہ و کنایہ کا راستہ نہیں اختیار کرتے، بلکہ چھوٹی، اور معمولی چیزوں سے گرانقدر اور اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو صحافت کا وجود تھا، نہ لاسلکی کی طاقت انسانوں کے قابو میں آئی تھی، اور نہ آواز کو بلند کرنے اور پھیلانے والے آلات ایجاد ہوئے تھے، ایسے وقت میں وادی مکہ کے بسنے والوں کو ایک جگہ متعین وقت میں جمع کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا تھا؟ کس طرح

ان کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی دلچسپیوں کی ہانڈی کھینچ لینے اور بھاگتے ہوئے سب کے سب آپ کی طرف چلے آئے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب قوم ہی کے ایک فرد تھے آپ عربوں کی عادتوں اوران کے رسم ورواج سے خوب واقف تھے آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ان رسوم کا ان کی طبیعتوں اور ان کے معاشرہ میں کتنا گہرا اثر ہے؟ اس دشوار اور نازک کام میں بھی آپ نے اس سے مدد لی۔

عربوں کی عادت تھی کہ جب ان کا کوئی فرد کوئی خطرہ محسوس کرتا اچانک قوم پر کسی دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا یا کوئی دشمن گھات میں لگا ہوتا اور شہر والے اس سے غافل ہوتے تو وہ کسی پہاڑ کی چوٹی یا کسی ٹیلہ پر چڑھ جاتا اور بلند آواز سے پکارتا "یا صباحاہ" (خطرہ خطرہ) "یا صباحاہ" (دشمن دشمن) پوری قوم یہ آواز سنتے ہی گھبرا جاتی، اسلحہ سنبھالتی اور خطرہ یا دشمن کا مقابلہ کرنے دوڑ پڑتی، ـــــ لیکن ـــــ وہ کونسا خطرہ تھا، جو عام طور پر ان کو پریشان کر دیتا، اوران کے آرام و راحت کو سلب کر لیتا؟ وہ صرف ایک تھا ـــــ دشمن ـــــ جس کا لشکر ان کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ان کا مال واسباب لوٹ لیتا، اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو ہنکالے جاتا، اوران کو نقصان پہنچاتا، قبائلی و صحرائی زندگی میں اسی ایک خطرہ سے وہ آشنا تھے اور جب یہ الفاظ بولے جاتے تو ان کے وہی ایک معنی سمجھتے تھے۔

یہ خطرات اور نقصانات، اپنی واقعیت اور اہمیت کے باوجود، انبیائے کرام کی نظروں میں ہیچ ہیں، جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے اور اس کو چلانے والے کی ذات اس کی صفات اوراس کے حقوق سے جہالت کے خطرہ کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں، اوراس جاہلی زندگی کی زہرناکی سے بھی باخبر ہوتے ہیں، جو اس زمانہ میں مکہ والوں کی تھی، اوراس جاہلی معاشرہ میں پھیلے ہوئے گناہوں اور فاسد اخلاق کے نقصانات سے بھی واقف ہوتے ہیں، "اس زمانہ کے لوگ بت پوجتے،

مردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کو پریشان کرتے، اور طاقت والے کمزوروں کو پامال کر دیتے"![1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دشمن کہیں باہر نہیں وہ ان کے دل و دماغ، ان کے عقائد و اخلاق میں پرورش پا رہا ہے، وہ باہر کے تمام دشمنوں سے زیادہ مضرت رساں اور خطرناک ہے، خطرہ کا یہ سرچشمہ جو ان کی اپنی ذات اور ان کے "اندرون" سے نکلا ہے، ان تمام خطرات سے بڑا اور اہم ہے، جن سے ان کو جاہلیت کی طویل زندگی میں سابقہ پڑا تھا، یا جن سے وہ عرب کی قبائلی زندگی میں دوچار ہوئے تھے، ان کی نفسوں کی دشمنی، ہر دشمن قبیلہ یا جنگ آزما لشکر کی دشمنی سے زیادہ سخت تھی، ان کی زندگی کے اطوار، قدرت و غلبہ والے خدا کی آتش غضب کو بھڑکانے والے تھے، جو نہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، نہ روئے زمین پر فساد چاہتا ہے۔

کوہ صفا پر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو کوہ صفا پر تشریف لے گئے، جو مکہ کی قریبی پہاڑی تھی، اور بلند آواز سے ندا دی "یا صباحاہ، یا صباحاہ" اس وادی کے بسنے والوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ انتہائی سنجیدہ اور خطرناک موقع ہی پر یہ آواز بلند کی جاتی ہے، اور عام طور پر اس میں غلط بیانی، فریب دہی، یا مذاق سے کام نہیں لیا جاتا، مکہ والوں نے یہ مشہور و معروف آواز سنی، جو اس شہر کے سب سے سچے آدمی کے منہ سے نکل رہی تھی، جس کا انھوں نے "صادق" اور "امین" نام ہی رکھ دیا تھا، وہ اس آواز کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کے سامنے تجربات اور حادثات کا طویل سلسلہ تھا،

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں جاہلی معاشرہ کی یہ صحیح ترین تصویر حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر سے ماخوذ ہے، جو انھوں نے شاہ حبش نجاشی کے دربار میں کی تھی۔

انھوں نے اس آواز کی طرف بڑھنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور لوگ جمع ہو گئے، کچھ خود آ گئے، کچھ نے اپنے نمائندے بھیج دیے[1]۔

جب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب فرمایا، اے بنی عبد المطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب! تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے اور تم پر بے خبری میں حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟

رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا اور جن سے یہ سوال کیا تھا، وہ "ناخواندہ" اور "غیر ترقی یافتہ" تھے، انھوں نے فلسفہ و منطق نہیں پڑھا تھا، نہ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے، بلکہ (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں) حقیقت پسند اور عملی لوگ تھے، ان کو اللہ نے سلامت فہم اور عقل عام (COMMON SENSE) کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا، انھوں نے موقع و محل کا جائزہ لیا اور جس مقام پر یہ خطیب کھڑا تھا اس کی طبعی ساخت کو دیکھا۔

انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی سچائی، امانت، اخلاص اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ کر چکے تھے، ایک پہاڑی پر کھڑا ہے، وہ سامنے بھی دیکھ رہا ہے جس میں اس کے مخاطبین بھی اس کے ساتھ ہیں، اور ساتھ ہی وہ پہاڑ کے عقب کی جانب دوسری طرف بھی دیکھ رہا ہے، جہاں سامنے پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والوں کی نظر نہیں پہنچتی، لوگ بغیر کسی شک و ادنیٰ تامل کے سمجھ گئے کہ جو شخص اس پوزیشن میں ہے، اس کو حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمن یا خطرہ کی خبر دے اور جن لوگوں کے سامنے پہاڑ حائل ہے، ان کو یہ حق نہیں کہ اسے جھٹلا دیں اور اس کی خبر کو صرف اس بنیاد پر رد کر دیں کہ اس مشاہدہ میں وہ لوگ خطیب کے ساتھ شامل نہیں ہیں، کیونکہ بیچ میں حائل ہونے والے پہاڑ نے ان کی حالت اور خطیب کی حالت میں فرق کر دیا ہے، اور پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے خطیب کو دوسری طرف

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۸

دیکھنے اور گواہی دینے کا موقع دیا ہے، جو ان لوگوں کو حاصل نہیں۔

عرب منصف تھے، بہادر اور سچے تھے، انھوں نے کہہ دیا "ہاں ہم ایسی اطلاع کی تردید نہیں کرسکتے ہمیں اس کو باور کرنا ہوگا"۔

نبوت کی حکیمانہ تمثیل

نبوت کی اس عدیم المثال وہبی حکمت کے ذریعہ اور اس عربی فصاحت و بلاغت کی مدد سے جس کا آپ کو حصۂ وافر عطا ہوا تھا، آپ نے ان کے سامنے نبوت اور انبیاء کے بے مثل اور نازک مقام کی تصویر کھینچ دی اور ان کی ممتاز حیثیت کو واضح کر دیا، جس وجہ سے وہ ایسے عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ان کے زمانہ کے ان ہی جیسے دوسرے انسان نہیں کرسکتے، اور ایسے امور وحوادث کی خبر دیتے ہیں، جس کی شہادت دوسرے مصلحین اور زعماء نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ نبوت کے بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوتے ہیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اور احساسات کی پاکیزگی اور فطرت کی سلامتی کی وجہ سے وہ محسوس دنیا کو اسی طرح دیکھتے ہیں، جیسے سب صحیح الحواس اور صحیح الدماغ انسان، لیکن اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی کے مطابق)، عالم غیب سے تعلق کی وجہ سے عالم نبوت اور غیبی حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ[1] — کہدو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں البتہ میری طرف وحی آتی ہے۔

کسی ذہین سے ذہین انسان، بہت بڑے عالم، یا بہت بڑے عقلمند کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان کو جھٹلا دے، اور ان کے مشاہدات کا انکار کر دے، کیونکہ وہ انبیاء کے ساتھ ان کے اس مشاہدہ میں

---

[1] کہف ۱۱۰۔

شریک نہیں، جن چیزوں کو انبیاء دیکھتے ہیں، وہ نہیں دیکھتا جس طرح پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والے انسان کے لئے کسی صورت میں یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے انسان کو جھٹلا دے اور پہاڑ کے پیچھے کی خبروں اور چوٹی کے اوٹ کے حادثات کا انکار کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی حواس ظاہری کی طلسمات کا گرفتار ان سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے تو وہ تعجب کا اظہار کرتے ہیں، اور پوری قوت و اعتماد سے کہتے ہیں۔

أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ[1] — تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو اس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھایا ہے۔

عرب کے یہ جاہل اس ابتدائی مرحلہ میں فلاسفہ اور حکماء سے زیادہ عقلمند ثابت ہوئے جنھوں نے صرف اس بنا پر انبیاء و رسل کی خبروں کو جھٹلا دیا، اور حقائق کا انکار کر دیا کہ خود انھوں نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور ان کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ[2] — حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

اور جب یہ فطری، عقلی، اور ضروری مرحلہ طے ہو گیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پورے عزم و یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور دوسرے اور آخری مرحلہ میں داخل ہوئے اور فرمایا: "فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ" (میں تم کو ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں) آپ نے ان کو اس حقیقی اور مستقل خطرہ سے ڈرایا جو ان کے طریق حیات کا، جس کے مطابق وہ زندگی گزار رہے تھے، ان عقائد کا، جن کا وہ اعتقاد رکھتے تھے، ان بتوں کا جن کے وہ شیدائی تھے،

---

[1] انعام ۸۱ [2] یونس ۳۹۔

جاہلی اور فاسد اخلاق وعادات کا جن کو وہ دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے، اور مختصر الفاظ میں انتہائی جہالت کا، جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے، طبعی تقاضا تھا، جس میں نہ ایمان تھا، نہ علم، نہ انصاف تھا، نہ خدا ترسی، اور اس زندگی کا فطری انجام ہے، معاشرہ میں ہمہ گیر فساد، زندگی میں تنگی اور پریشانی، قلبی اضطراب اور داخلی عذاب۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ [۱]	خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزا چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔
وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ [۲]	اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزا چکھائیں گے شاید ہماری طرف لوٹ آئیں۔

اور اس زندگی کے بعد ہمیشہ کا عذاب ہے، جس کے سامنے سارے عذاب اور ہر قسم کی تکلیفات ہیچ و بے قیمت ہیں۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ۔ [۳]	اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ۔ [۴]	اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر رہنے والا ہے
وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ۔ [۵]	اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے۔

علماء اور محققین نے دواؤں کے خواص دریافت کئے ہیں، مختلف اشیاء کی طبائع اور ہر چیز میں چھپی ہوئی قوت کو معلوم کر کے معلومات کا قیمتی خزانہ جمع کر دیا ہے، لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا اور جمع کرنے والوں کی محنت و سعی اور فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کو خراج تحسین ادا کیا، لیکن اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات اور عقائد و اعمال کی خاصیات

---

[۱] الروم ۴۱ [۲] الم سجدہ ۲۱ [۳] الرعد ۳۴ [۴] طٰہٰ ۱۲۷ [۵] فصلت ۱۶

اور صحیح و غلط، اچھے اور برے اخلاق کے نتائج کا علم، آخرت میں نیک و بد، ثواب و عذاب اور جنت و جہنم کی معرفت کا انبیائے کرام واحد سرچشمہ اور ذریعہ علم ہیں، اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس عالم میں ہونے والے حشر و نشر، انعام و عذاب اور نعمت و نقمت کے علم کے لئے اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق انبیائے کرام کو مخصوص فرمایا ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ	وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو
أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ[1]	ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔

انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) نبوت کے پہاڑ پر کھڑے ہوتے ہیں، اور اس عالم کو بھی دیکھتے ہیں، اور عالم غیب کو بھی اور انسانیت اور اس کی تہذیب و تمدن پر مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں شب خوں مارنے والوں کی خبر دیتے ہیں، چھپے ہوئے خطرات و نقصانات سے آگاہ کرتے ہیں، اور شفقت، محبت، مہربانی اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں، اور جب کوئی ان کے اس فطری اور عقلی حق کا انکار کرتا ہے اس بدیہی چیز میں شک کرتا ہے، یا ان کی بلند حیثیت اور اعتماد کو چیلنج کرتا ہے، تو وہ نصیحت و اخلاص اور رنج و الم کے ساتھ کہتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ	کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ
مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم	تم خدا کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر غور
مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ	کرو تمہارے رفیق کو سودا نہیں، وہ تم کو عذاب سخت کے
يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ[2]	آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔

ہدایت کا واحد ذریعہ

اور اسی وجہ سے قرآن بار بار زور دیتا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی حقیقی صفات کی

---

[1] الجن ۲۶، ۲۷ [2] سبا ۴۶۔

نشاندہی کرنے والے صرف انبیائے کرام ہی ہیں اور وہی اللہ کی صحیح معرفت کا جس میں نہ جہالت و گمراہی کا شائبہ ہو، نہ غلط فہمی یا غیر مناسب انداز بیان کا شبہ، واحد وسیلہ ہیں اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے وہ معرفت حاصل ہو بھی نہیں سکتی، نہ تنہا عقل رہنمائی کر سکتی ہے نہ ذہن کی تیزی و ذکاوت کافی ہو سکتی ہے، نہ فطرت کی سلامتی اس کا ذریعہ بن سکتی ہے، نہ ذہن کی بلند پروازی کی وہاں گزر ہے، نہ عقل و خرد کی کاوشیں اس تک پہنچا سکتی ہیں نہ تجربات کا خزانہ ہی مددگار ثابت ہو سکتا ہے، اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہل جنت کی زبانی کیا ہے جو سچے بھی ہیں اور صاحب تجربہ بھی، اور یہ موقعہ بھی ایسا ہے کہ وہاں غلط بیانی اور مبالغہ آمیزی کا کوئی گزر نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰانَا اللّٰهُ [1]	خدا کا شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے۔

اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہی معرفت صحیح کا ذریعہ اور اس راستے کے رہنما تھے، جو اس منزل تک پہنچاتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ [2]	بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت ہی کی وجہ سے ان کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کریں اور اس کی مرضی اور اس کے احکام معلوم کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں ـــ اور اسی کے نتیجہ میں جنت میں داخلہ ممکن ہوا۔

ماورائے عقل و حواس حقائق کی دریافت کے بارے میں انسانوں کی عقلی و باطنی قوتیں جتنی بے بس کمزور اور محدود اور ناقابل اعتماد ہیں نامناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں ہم ان عارفین و محققین کی شہادتیں اور تجربات بھی سنتے جائیں، جو عقل و قلب دونوں کوچوں سے نہ صرف آشنا بلکہ دونوں کے محرم اسرار تھے

---

[1] الاعراف ۴۳ [2] ایضاً

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ معروف بہ مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے اپنے محققانہ مکتوبات میں اس مضمون کو بار بار دہرایا ہے کہ عقل انسانی انبیاء علیہم السلام کی مدد و رہنمائی کے بغیر صانع عالم کا اثبات تو کر سکتی ہے اور اس کے وجود کو ضروری قرار دے سکتی ہے، لیکن اس کی ذات و صفات کی صحیح معرفت اور تقدیس و تنزیہ اور توحید صحیح کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ترجمہ :- خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔"[1]

فلسفہ، اشراق اور مذاہب کی تاریخ بھی اس کی پوری طور پر تائید کرتی ہے کہ محض عقل و استدلال یا فلسفہ و اشراق پر تکیہ کرنے والوں نے خدا کی معرفت اور اس کے لئے صحیح صفات ثابت کرنے اور صحیح افعال کی نسبت کرنے میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور کن کن گمراہیوں اور نادانیوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔[2] مجدد صاحبؒ اپنے مکتوبات میں ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے، اور کسی چیز کے مخالف عقل اور ورائے عقل ہونے میں بڑا فرق ہے خدا کی تنزیہ کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے انھوں نے معرفت الٰہی میں عقلاء یونان کی بے عقلیوں کے نمونے پیش کئے ہیں، جن پر عقل بھی انگشت بدنداں ہے، اسی طرح اہل اشراق اور صفائی نفس کے مدعیوں کی بوالعجبیوں کا بھی عبرتناک نقشہ کھینچا ہے۔[3]

اسی طرح انھوں نے دوسرے مکتوب ۳۹/۱ بنام خواجہ عبد اللہ اور خواجہ عبید اللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں بڑی تفصیل سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ پیغمبروں کی بعثت اللہ کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے، اور یہ کہ عقل و کشف دونوں کا خالص اور بے آمیز ہونا ممکن نہیں، وہ جسم عنصری کے اثرات، قوت واہمہ کے تخیلات، رذائل اخلاق اور بشری کمزوریوں

[1] مکتوب ۲۳/۱ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب و تمدن" [3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کا طویل مکتوب ۲۳/۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

سے کلیۃً مبرا اور آزاد نہیں ہو سکتے، اس کے فیصلے اور اس کے اخذ کیے ہوئے نتائج و احکام اور علوم و معارف، ان کمزوریوں کے رنگ میں رنگ کر اور ان کا اثر قبول کر کے ظاہر ہوتے ہیں، ان میں اکثر ان مقدمات کی کارفرمائی ہوتی ہے، جو اس کے نزدیک مسلم اور بدیہی اور حقیقتاً خلاف واقع اور فرضی ہوتے ہیں، ان صحیح اور غیر صحیح مقدمات میں تمیز کرنا اس کے اپنے ذاتی رجحان کی بنا پر ناممکن ہوتا ہے، ان کے مکاتیب اس طرح کے معارف و حقائق سے پر ہیں، اور اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ نہایت مفید اور ایمان افروز ہے۔

اللہ نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ "سورہ الصّٰفّٰت" (جس میں مشرکین کی گمراہی ان کی بد اعتقادی اور اللہ کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی ہے، جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں) کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝	یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے

یہ تینوں آیتیں ایک طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں، جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں، کیونکہ جب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی لغو اور بیہودہ باتوں سے منزہ فرمایا تو انبیائے کرام کا بھی ذکر کیا جنھوں نے خدا کی کامل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا، اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کئے اللہ نے ان پر سلام بھیجا اور ان کی تعریف کی کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح صفات سے روشناس کرانے کا سہرا انھیں کے سر ہے، اور ان کی بعثت مخلوق پر احسان، انسانوں کے لئے نعمت اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضا ہے، اس لئے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝	اور ساری تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ "اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "انبیاء بہترین موجودات ہیں اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی، اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتدا ہے نہ کہ عکس، نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے، کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے"[1]

انبیاء اور نبوت کی فضیلت کے بارہ میں انھوں نے اور ان کے ایک پیشرو محقق و عارف مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنے مکاتیب میں بڑے بلند معارف و حقائق کا اظہار فرمایا ہے مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ "ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی (اس لئے ان سے وہ ہدایت اور نفع عام نہیں ہوتا جو انبیاء سے ہوتا ہے) اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق، توجہ خلق سے مانع ہوتی ہے اور نہ توجہ خلق، توجہ حق میں حائل ہوتی ہے"[2]

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ "انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی و پاکیزگی، اور قرب خداوندی میں اولیائے کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے، ان کے جسم کو وہاں لے جاتے ہیں، جہاں دوسرے کا راز و نیاز پہنچ سکتا ہے"[3]

فلسفہ یونان کی ناکامی کا راز

یہی وجہ ہے کہ جو بھی انبیاء کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اللہ کی ذات و صفات اور اسمائے حسنیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس دنیا سے اللہ کے تعلق اور اس تعلق کی کیفیت، اللہ کی قدرت، اس کے احکام، اور اس دنیا میں ان احکام کے اثرات کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لئے اپنی عقل، اپنے علم، اپنی ذہانت و ذکاوت، کسی علم و ہنر سے

---

[1] مکتوبات صـ ۸۵-۸۶ جلد اول اور صـ ۱۲۲ جلد اول [2] مکتوبات صـ ۱۱۲ جلد اول [3] مکتوب بستم

واقفیت بعض کوششوں میں کامیابی اور علمی میدان میں معمولی یا عظیم الشان کارناموں پر اعتماد کرتا ہے اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، اور سوائے سرگردانی اور گمراہی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ان پر اللہ کا یہ فرمان صادق آتا ہے۔

هَآاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1]	تم لوگ جھگڑ چکے جس میں تم کو کچھ خبر بھی اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

یونان کے قدیم الہیاتی فلسفہ اور اس کے مفکرین اور ماہرین کی ناکامی اور گمراہی کا یہی راز ہے ان کی بے نظیر ذکاوت و فطانت ان کے علمی و ادبی شاہکار ان کی باکمال اور سحر انگیز شاعری بڑے بڑے رزم ناموں اور ریاضی، ہندسہ، اقلیدس، طبیعیات، نجوم اور فلکیات کی مہارت نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا، اور انھوں نے سمجھا کہ مابعد الطبیعیات اور الہیات میں بھی وہ اسی طرح کامیاب رہیں گے، چنانچہ انھوں نے الہیات کے مسائل اور خدا کی ذات اور اس کی صفات کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی۔

لیکن اس دماغ سوزی کا جو نتیجہ انھوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ لوالعجبیوں کا ایک مرقع، داناؤں کی نادانی کا ایک شاہکار اور باہم متضاد و مختلف اقوال و آراء اور قیاسات اور دعاوی کا مجموعہ ہے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے اس پر بالکل صحیح تبصرہ فرمایا ہے۔

"تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں، اگر کوئی انسان اس طرح کا اپنا خواب بیان کرے تو اس کو سوء مزاج کا نتیجہ قرار دیا جائے[2]۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

---

[1] آل عمران — ٦٦

[2] تہافت الفلاسفہ ص ٣٠

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی چیزوں سے ایک دیوانہ بھی کیسے مطمئن ہو سکتا ہے اور کہاں یہ عقلا جو بزعم خود بال کی کھال نکالتے ہیں"[1]

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فلاسفہ اور حکماء کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ارباب عقل ان لوگوں کے کلام پر غور کریں، جن کو اپنی عقل اور تحقیق کا اتنا زعم ہے کہ انبیائے کرام کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، اپنی حکمت کی انتہا اور فلسفہ کے اعلیٰ معیار پر بھی دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں اور ثابت شدہ و متعین حق کو اپنی پر فریب اور شکوک میں مبتلا کرنے والی باتوں سے رد کر دیتے ہیں اور واضح اور مشہور باطل کو قبول کر لیتے ہیں"[2]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"الٰہیات کے بارہ میں جب معلم اول (ارسطو) کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفۂ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ یونان کی الٰہیات کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، اس کو یہ بات ایسی ہی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لوہاروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہانِ عالم سے مقابلہ کرنے لگے"[3]

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقیؒ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"عقل اگر اس مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفۂ یونان جنھوں نے عقل کو اپنا مقتدیٰ

---

[1] تہافت الفلاسفہ صہ ۳۲ [2] موافقہ صریح المعقول [3] الرد علی المنطقیین صہ ۳۹۵

بنایا تھا، گمراہی کے بیابان میں بھٹکنے اور حق تعالیٰ کو، اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انھوں نے حق سبحانہٗ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے۔"

پھر ان کے عجیب و غریب اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں۔

"عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکمار یونان) کو حکمار کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الٰہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب و سنت کے مخالف، حکمار کا ان کو لقب دینا، جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے، یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔"[1]

انھیں لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آتا ہے۔

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ۔[2]	کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے بازپرس کی جائے گی۔
مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا۔[3]	میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔

عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش

افسوس کہ ہمارا اسلامی فلسفہ (علم کلام) جو یونان کے ملحدانہ فلسفہ کا مقابلہ کرنے کے لئے

---

[1] مکتوب ۲۳/۴ [2] الزخرف ۱۹ [3] الکہف ۵۱

عالم وجود میں آیا تھا، وہ بھی اسی رجحان سے متاثر ہو گیا، اور ایسے مسائل میں تفصیلی بحثیں کی گئیں
جن کے نہ تو اصول و مبادی انسانوں کو معلوم تھے، نہ وہ ان کے مقدمات کا صحیح علم رکھتے تھے،
اس میں بھی وہی بے قابو فلسفیانہ روح سرایت کر گئی جو اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانتی اور حدود سے
تجاوز کر جاتی ہے، یہاں بھی ذات باری سے متعلق مسائل اور اسماء و صفات کی تاویل میں وہی
باریکیاں اور بال کی کھال نکالنے کی کوشش نظر آتی ہے، اور لوگوں نے ان مسائل میں اتنی تفصیل سے
کام لیا، اور ایسا تجزیہ اور ایسی تشریح کی ہے، جیسے وہ کسی سائنسی تجربہ گاہ (LABORATORY)
میں کھڑے ہوں، اور تمام اجزاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک۔

انبیائے کرام کا امتیاز

انبیائے کرام (صلوات اللہ علیہم) کا اس حیات بخش علم میں کوئی سہیم و شریک نہیں،
جس کے بغیر نہ انسانوں کو سعادت حاصل ہو سکتی ہے، نہ نجات مل سکتی ہے، وہ علم جس کی روشنی میں
انسان اپنے خالق اور اس کائنات کو وجود بخشنے والی ذات، اس کی اعلیٰ صفات اور اس کے اور بندوں
کے باہمی تعلق کی نوعیت معلوم کرتا ہے، اسی کی روشنی میں انسان کی ابتدا اور اس کی انتہا معلوم ہوتی
ہے، اور اس دنیا میں اس کا مقام اور رب کے مقابلہ میں انسان کا موقف متعین ہوتا ہے، اور اللہ کو
راضی کرنے، غصہ دلانے اور آخرت میں انسان کو خوش نصیب و کامران یا ناکام و نامراد بنانے
والے امور و اعمال اور انسان کے عقائد، اعمال اور اخلاق و عادات کے خواص، ان کی جزا و سزا اور
انسانوں سے صادر ہونے والے اقوال، اعمال اور اعتقادات کے نتیجہ میں ملنے والے ثواب یا عذاب اور
طویل مدت تک اثر انداز ہونے والے اہم نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کو "علم
النجاۃ" کہا جا سکتا ہے۔

انبیائے کرام ارفع واعلیٰ صلاحیتوں، احساس کی لطافت ونزاکت اور فطری ذہانت وذکاوت کے مالک ہونے کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ اور عام علوم میں دخل نہیں دیتے، نہ ان علوم وفنون میں اپنے کمال یا اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزوں سے بالکل الگ صرف اس فریضہ کی ادائیگی اور اسی خدمت کے انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں، جن کے لئے وہ مبعوث کئے گئے ہیں، جن کے مامور بنائے گئے ہیں، اور جن پر انسان کی شقاوت وسعادت کا دار و مدار ہے، وہ انھیں علوم کو دوسروں تک پہنچانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام

مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو اپنے اپنے زمانہ میں، تہذیب وثقافت، ذہانت اور علمی ایجادات میں بلند ترین معیار پر پہنچی ہوئی تھیں وہ بھی انبیائے کرام کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مخصوص علم کی اتنی ہی ضرورت مند تھیں جتنا کہ دریا میں ڈوبنے والا سہارے کے لئے کسی کشتی کا محتاج ہوتا ہے یا زندگی سے مایوس مریض کو اکسیر دوا کی ضرورت ہوتی ہے، ان ترقی یافتہ قوموں کے افراد اس مخصوص اور ضروری علم کے اعتبار سے (دوسرے علوم یا تہذیب وتمدن میں جتنے بھی آگے رہے ہوں) طفل شیر خوار، جاہل محض اور تہی دست و بے بضاعت تھے، اور انھوں نے اپنی علمی کامیابیوں اور تمدنی ترقیات کے باوجود جب اس علم کو رد کر دیا اور اس کا مذاق اڑایا، تو انھوں نے اپنے لئے اور اپنے قوم و معاشرہ کے لئے تباہی وہلاکت کو دعوت دی، متعدد ترقی یافتہ اور متمدن قومیں جو علم وادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال تھیں اور ذکاوت وعبقریت میں جن کی مثال دی جاتی تھی، اس انکار، تکبر، غرور، خود پرستی اور اپنے علوم اور صنعتوں پر فخر کا شکار ہو چکی ہیں، اپنے زمانہ کے نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کو انھوں نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا، اس سے بے نیازی برتی،

اس کو بیکار اور بے قیمت سمجھا، تو وہ اسی غرور ہی کی نذر ہو گئیں، اور وہ حماقت جو اعلیٰ ذہانت نظر آتی تھی، وہ تنگ نظری جس کو اس وقت دور اندیشی اور حقیقت شناسی کہا جاتا تھا، ان کو لے ڈوبی اور انھوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھ لیا۔

انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل

انبیائے کرام (علیہم السلام) کے علم اور دوسرے علماء اور حکماء کے علوم و فنون کا واضح فرق ایک کہانی سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے، آپ لوگوں نے اسے سنا تو ضرور ہو گا، لیکن شاید اس طرح اس فرق پر منطبق نہ کیا ہو گا، اور نہ یہ بلیغ حکمت معلوم کی ہو گی اور معاف کیجئے گا، یہ کہانی آپ ہی لوگوں یعنی طلبہ ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

"راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی، اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرے بازی، مذاق و تفریح طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز و طرار صاحبزادہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا "چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟"

ملاح نے جواب دیا "میاں میں کچھ پڑھا لکھا نہیں"۔

صاحبزادے نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی؟"

ملاح نے کہا "میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا"۔

دوسرے صاحبزادہ بولے "اقلیدس اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟"

ملاح نے کہا "حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں"۔

اب تیسرے صاحبزادہ نے شوشہ چھوڑا "مگر آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی ہی ہوگی؟"

ملاح نے جواب دیا "سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟"

ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا۔

پھر انھوں نے پوچھا "چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟"

ملاح نے بتلایا "یہی کوئی چالیس سال" لڑکوں نے کہا "آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں" ملاح بیچارہ خفیف ہو کر رہ گیا، اور چپ سادھ لی۔

قدرت کا تماشا دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آگیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں، اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا "بھیا، تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟"

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے، اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی اور جب بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا "ٹھیک ہے یہ سب تو پڑھا لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارہ کیسے پہنچ سکو گے؟"

لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا "چچا جان ابھی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے"

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا، اور کہا "میاں میں نے تو اپنی آدھی عمر

کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی' اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا
کچھ کام نہ آئے گا، آج پیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے' اور وہ تم جانتے
ہی نہیں!"

ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے اور تہذیب و تمدن کے بلند معیار پر پہنچنے والی تمام قوموں کی
یہی حالت ہے' خواہ وہ علم و ادب کے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہی کیوں نہ رہی ہوں'
یا انسانوں کے تمام علوم' حکمتوں' ایجادات اور اس وسیع دنیا میں چھپے ہوئے خزانوں کے اکتشافات
میں پوری دنیا کی امام ہی کیوں نہ رہی ہوں' لیکن وہ اس علم سے ناواقف تھیں جس سے اللہ کی معرفت
حاصل ہوتی ہے' جس کے ذریعہ خالق تک پہنچا جا سکتا ہے' جس کے سہارے ساحل مقصود تک رسائی
اور طوفان سے نجات کا حصول ممکن ہے' جو اعمال اور میلانات کو درست رکھتا' خواہشات اور
شہوات کو قابو میں کرتا ہے' اخلاق کو صالح اور نفس کو مہذب بناتا ہے' برائیوں سے روکتا اور
بھلائیوں پر ابھارتا ہے' دل میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرتا ہے' اور جس کے بغیر نہ معاشرہ
کی اصلاح ہو سکتی ہے' نہ تہذیب و تمدن کی حفاظت' جو انسان کو انجام کی فکر اور آخرت کے لئے
تیاری پر آمادہ کرتا ہے' انانیت اور خود پرستی کے جذبات فرو کرتا ہے' دنیا کی حقیر چیزوں کی
حرص و ہوس سے آزادی دلاتا ہے' احتیاط اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے' اور غیر مفید اور
بے نتیجہ کوششوں سے باز رکھتا ہے۔

اللہ نے ان قوموں کا قصہ قرآن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے' جو غرور و تکبر کے نشہ میں
مست تھیں اور انھوں نے اپنے معاصر انبیاء کرام کو ذلیل و حقیر سمجھا جو اس زمانہ کے رائج علوم
میں امتیازی شہرت نہیں رکھتے تھے۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ — اور جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں

فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ[1]

لے کر آئے تو جو علم ان کے خیال میں ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آن گھیرا۔

رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں

خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد بھی ہر اس قوم کی یہی حالت ہے، جو علم، حکمت، صنعت اور تمدن کے بلند مدارج طے کر چکی اور اس کے تکبر و غرور اور اپنے علوم، ترقیات اور ماہر فن باکمالوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے بہترین اور ضروری علم سے اس کو روک رکھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اجازت نہ دی۔

ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی مثال بھی یہی ہے، جو اس قیامت تک باقی رہنے والے دین سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور اس مرکز انوار سے روشنی کی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں، جلد ہی ان قوموں کے انکار، تکبر اور استغنا کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا، ان کی جاں بلب تہذیب کی لاش کا تعفن پھیل جائے گا، اور ان کے تمدن کی عمارت زمین پر آ رہے گی۔

اسلامی ممالک کے لئے عظیم خطرہ

مسلم اور عرب ممالک کا رویہ اور تعجب خیز ہے کہ وہ اس حیات بخش اور قیمتی علم سے اعراض اور اس سے استفادہ سے پہلو تہی کر رہے ہیں، اور اس کے بجائے مغربی تہذیب، مادی قدروں

---

[1] مومن ۸۳

جاہلی زندگی اور قومی یا انفرادی فلسفوں پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، یہ ان کے لئے عظیم ترین خطرہ ہے، جس کا کوئی مداوا نہیں، اسی اعراض کی سزا ہیں وہ افتراق و اختلاف میں مبتلا ہیں، ہنگامے اور آئے دن کے انقلابات ان کو تباہ کر رہے ہیں، ان میں بغض و حسد جیسے مہلک امراض پیدا ہو گئے ہیں، ان کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ دشمنوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے ہیں۔

علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں دوسرے علماء و محققین اور ارباب فضل و کمال کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی بہت بڑے آباد ترقی یافتہ اور منظم شہر میں مختلف ذوق اور مناسبت رکھنے والے ارباب علم و حکمت داخل ہوں۔

ایک جماعت آتی ہے، جس کی دلچسپیوں کا مرکز علم تاریخ ہے تو وہ اس قدیم شہر کی تاریخ دریافت کرے گی کہ کس نے یہ شہر آباد کیا، کب اس کی بنیاد پڑی، اس میں ترقی کب کب ہوئی، کن حادثات سے اسے دوچار ہونا پڑا، اور کون کون سی حکومتیں کن کن اوقات میں آتی رہیں۔؟

ایک اور جماعت اسی شہر میں آتی ہے، اس کی تلاش و تحقیق کا موضوع آثار قدیمہ ہیں تو وہ قدیم آثار تلاش کرے گی، شہر کے تاریخی حصوں کی کھدائی کرے گی، اور اس سے نکلی ہوئی چیزوں اور کتبات کا مطالعہ کر کے ان کے زمانوں کو متعین کرے گی، قدیم برباد شدہ تہذیبوں اور پرانے عادات و اطوار کا پتہ لگائے گی۔

کچھ اور لوگ اسی شہر کا رخ کرتے ہیں، جن کا خاص فن جغرافیہ ہے، ان کی دلچسپیاں جغرافیہ ہی تک محدود رہتی ہیں، وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس شہر کے حدود اربعہ کیا ہیں، اس کا رقبہ کتنا ہے، شہر کا جغرافیائی محل وقوع کیا ہے، اس کے گرد و پیش کے پہاڑ اور اس پر سایہ فگن چوٹیاں کیسی ہیں،

شہر کا سینہ چیرنے والی نہریں کون کون سی ہیں؟ اور وہ کہاں سے گزرتی ہوئی اس شہر تک پہنچتی ہیں۔

ایک اور طبقہ داخل ہوتا ہے جس کی جولانگاہ میدانِ شعر و ادب ہے، اور اس مزین و منظم شہر کا حسن و جمال، اس کے دلکش مناظر، صبح و شام، دل و دماغ کو معطر کرنے والی نازک خرام ہوائیں اور باغات میں لہلہاتے ہوئے رنگ برنگے گل بوٹے اس کو متاثر کرتے ہیں، اس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے، اور اس کی صلاحیتیں اور شاعرانہ کمالات، نازک خیالات، بلند معانی سے مزین اور فصاحت و بلاغت سے آراستہ اشعار کا ایک دیوان مرتب کر دیتے ہیں۔

کچھ اور لوگ اس شہر کا رخ کرتے ہیں، ان کی تلاش و تحقیق کا رخ زبان اور فلسفۂ زبان کی طرف ہوتا ہے، وہ لوگ اہل شہر کی زبان کو اپنا موضوع بناتے ہیں، اور اس زبان کی ابتدا، اس کی نشو و نما، اس کی ترقی کے مدارج اور دوسری زبانوں سے اس کے تعلق کا مطالعہ کرتے ہیں، اس زبان کی اصل کا پتہ لگاتے ہیں، درمیان کی گم شدہ کڑیاں تلاش کرتے ہیں، الفاظ کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں، زبان کے قواعد مرتب کرتے ہیں، اور رسم الخط کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کے بارہ میں تحقیقات عمل میں لاتے ہیں۔

اہل علم و فن کی یہ ساری جماعتیں انتہائی ضروری اور قابل قدر ہیں، ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسی کی جانب سے بے توجہی نہیں برتی جا سکتی، ہر ایک کا اپنا رجحان، ذوق اور اس کے مطالعہ کا موضوع رہتا ہے، اسی کے مطابق اس کی صلاحیتیں اپنا عمل کرتی ہیں، لیکن یہ تمام طبقے اپنی قدر و قیمت اور اپنی اہمیت کے باوجود اس وقت تک خطرہ سے نہیں نکل سکتے ہیں، جب تک کہ اس شہر کے متعلق چند انتہائی ضروری امور نہ معلوم کر لیں کہ اس کا حاکم کون ہے؟ اس کا نظامِ حکومت کیسا ہے، اور وہ قوانین کون سے ہیں، جن کے سامنے تمام لوگوں کو رجحانات اور

صلاحیتوں کے اختلافات کے باوجود) سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے، اس شہر یا ملک کی شہریت حاصل کرنے کے کیا اصول ہیں، اس کے بسنے والوں پر کتنے ٹیکس واجب ہیں، اس پر آباد ہونے کے قواعد کیا ہیں؟ بیان کیا کیا چیزیں ممنوع اور خلاف قانون ہیں، جن کا ارتکاب ان کو مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے، اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں جو اس منظم اور ترقی یافتہ شہر میں باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔

مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ

اسی مثالی اور ترقی یافتہ شہر میں ایک اور جماعت داخل ہوتی ہے، صلاحیتوں میں کامل، صحیح اور نفع بخش قوتوں کی مالک، نازک احساس اور لطیف و پاکیزہ ذوق سے مزین، انسانی خوبیوں میں سے کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اس کے عزائم بالکل الگ ہیں، اس کی دعوت اور اس کا طریقۂ کار ان لوگوں کی دعوت اور طریق کار سے بالکل جدا ہے، وہ براہ راست اس منظم شہر کے مرکز اور اس کی قوت، زندگی اور تنظیم کے اصل سرچشمہ تک پہنچتی ہے، بلکہ اس شہر کا مختار کل خود اس جماعت کی انگلی پکڑ کر اصل مرکز تک لے جاتا ہے، اور یہ مقدس جماعت براہ راست اس سے احکام و فرامین حاصل کرتی ہے، اور اسے شہر کے تمام لوگوں تک پہنچاتی ہے، وہ اس شہر کی تنظیمی قوت یا تنظیمی ادارہ اور اس کے شہریوں کی درمیانی اور اہم کڑی کا بن جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہر کے تمام لوگ اور علماء و فضلاء کے تمام طبقے اپنی زندگی کے تمام شعبوں اور امن و سکون کے ساتھ علمی و تحقیقی مشاغل کے انہماک میں اس مقدس جماعت کے احسان مند ہیں، کیونکہ یہ سارے علوم و فنون اس خاص علم و معرفت کے زیر سایہ پرورش پاتے اور نشو و نما کے مراحل طے کرتے ہیں، جس کی تعلیم یہ مقدس جماعت دیتی ہے جس کی تبلیغ تمام لوگوں میں کرتی ہے،

دن رات اسی کی فکر میں رہتی ہے، اور اسی کے زیر سایہ زندگی گزارتی ہے، اگر یہ معلومات نہ ہوں اور یہ مبارک جماعت نہ ہو تو دوسری ساری جماعتیں لاعلمی اور جہالت کا شکار ہو جائیں گی، ان سے خلاف قانون حرکتیں سرزد ہوں گی، انھیں گرفتار کیا جائے گا، اور جیل خانوں میں بھر دیا جائے گا اور ان کے تمام علوم، تمام حکمتیں، ساری کدوکاوش اور ایجادات ان کے کچھ کام نہ آئیں گی کیونکہ ان تمام علوم و تحقیقات اور اس نظام کی (جو ان تمام وحدتوں کو ایک سلسلہ میں پروتا ہے) بنیاد ہے اس وسیع و عریض شہر کے انتظام کرنے، اسے چلانے والے اور مختار کل کی ذات کی معرفت اور اس اصل مرکز کی معرفت، جس کے گرد اس شہر کی زندگی گردش کرتی ہے، یہی وہ معرفت ہے، جس کے لیے انبیاء کرام مخصوص کیے گئے، جو انھیں کی ذات سے وابستہ ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ[1]	اور ہم اسی طرح ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

مقدس ترین فریضہ

اس معرفت کی اہمیت کہیں زیادہ ہو جاتی ہے اگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ میری بیان کی ہوئی مثال میں معاملہ صرف حاکم اور منتظم ہی کا نہیں بلکہ اس شہر کا حاکم اور منتظم، اس کا خالق بھی ہے، جس نے اس کو وجود بخشا ہے، اس پر زندگی کی لہریں دوڑائی ہیں، اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اور آسانیاں فراہم کی ہیں، وہ روزی رساں ہے، سخی ہے، رحمت و مغفرت والا ہے، اپنی مخلوقات سے اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتی ہے، ذیل کی

---

[1] انعام ۷۵

آیت قرآنی سے معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق اس کائنات اور مخلوق سے کتنا وسیع، عمیق اور محیط ہے اور وہ کن صفات اور اسمائے حسنیٰ سے موصوف ہے، جن کی تجلی اس عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝[۱]

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی، پاک ذات، ہر عیب سے سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب زبردست، بڑائی والا، خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے، وہی خدا تمام مخلوقات کا خالق ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

لہذا انسان کو ودیعت کی ہوئی عقل کی ساری صلاحیتیں صرف کرکے اس کی معرفت کی تحصیل، دل کی گہرائیوں میں اس کی محبت، تمام اعضاء و جوارح سے اس کی اطاعت اور اس کی رضامندی، اس کا قرب اور اس کی رحمت و توجہ کی تحصیل میں انتہائی محنت و مشقت ہی سب سے اہم فریضہ ہے، سب سے مقدس کام، انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے، عقل سلیم اور صالح فطرت کا صحیح مطالبہ ہے۔

---

[۱] الحشر ۲۲ - ۲۴

انسانوں کے مختلف طبقات ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوتوں کے مقابلہ میں یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوت کا مقام بلند، یہ مقدس طبقہ انسانیت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جس قدر جسم کے لئے روح، کام کے لئے عقل اور انسان کے لئے روشن آنکھیں، اور دنیا ان کے بغیر (اپنے تمام علوم ادبیات، تہذیب ثقافت، صنعت اور حرفت کے باوجود) کلیۃً تیرہ و تار اور مکمل بحر ظلمات ہے۔

ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ[1]

غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک پر ایک چھایا ہوا جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب

انبیائے کرام صرف معرفت صحیحہ اور علم الیقین ہی کے مرکز و منبع نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ انسانی معاشرہ کو ایک اور بے بہا دولت بھی عطا کرتے ہیں، جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا پورا پورا دار و مدار ہے، اور وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شر کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، اور انسان کی تمام ترقیات سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ مبارک عزم رہا ہے، کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے انسان کے

---

[1] النور۔ ۴۰

عزم وارادہ کے تابع ہیں، تمام کارناموں کی اساس یہ ہے کہ انسان ارادہ کرے، اور اس بھلائی کا اصل ماخذ و منبع ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات رہی ہیں، انھوں نے اپنی بعثت کے زمانہ میں اپنی قوم و امت اور اپنے پورے معاشرہ میں خیر کی محبت اور شر سے نفرت کے جذبہ کو پروان چڑھایا، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ان کی طبیعت اور فطرت میں داخل کرنے کی کوشش کی اور طویل انسانی تاریخ میں جب بھی یہ جذبہ کمزور پڑا، انسانوں کی فطرت میں تغیر رونما ہوا، اور ان میں بہیمیت اور درندگی کے آثار ظاہر ہوئے، جیسا کہ ہم قرآن میں بیان کئے ہوئے مختلف قوموں کے حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اس کا علاج کیا، اور قساوت و بہیمیت کو رحمت و رافت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا، انھوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کے لئے مسلسل و متواتر جدوجہد کی، عیش و آرام کی پروا نہیں کی، عزت و وقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی فکر نہیں کی، اور اسی مسلسل و جانکاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی و رعنائی آگئی، اجر و رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، اور انھیں برگزیدہ مثالی اور قابل تقلید نفوس کی برکت سے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی، الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہوگیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان و یقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس بھلائیوں

کی گرفت سے آزاد ہو گئے، قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔

انسانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کی ارتقاء پر اس مبارک و مقدس طبقہ کے جس قدر احسانات ہیں، کسی اور طبقہ کے نہیں ہیں، الطاف و عنایات کا خنک سایہ، انسانوں کی عزت، ان کی شرافت، ان کے اعتدال، ان کے توازن اور ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے، انہی الطاف و عنایات کے زیر سایہ حیات انسانی کے بقا کا امکان ہے، اگر انبیائے کرام علیہم السلام نہ ہوتے تو انسانیت کا سفینہ اپنے علم، فلسفہ، حکمت اور تہذیب و تمدن سمیت طوفان کی نذر ہو جاتا، اور روئے زمین پہ انسانوں کے بجائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے ریوڑ کلیلیں کرتے ہوئے نظر آتے، جو نہ اپنے خالق اور رب کو پہچانتے نہ دین و اخلاق سے آشنا ہوتے، نہ رحمت و محبت کا احساس رکھتے اور نہ آب و دانہ یا گھاس چارہ سے بلند کوئی بات ان کے ذہن میں آتی۔

آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار لطیف و نازک احساسات، بہترین و بلند اخلاقی تعلیمات، صحیح و نفع بخش علوم، یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں، ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ، وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پرخلوص اصحاب و متبعین ہی پر ختم ہوتا ہے، اور دنیا (ازل سے ابد تک) ان کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر مجبور رہی ہے، انہی کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے، اور انہی کی تعمیر کی ہوئی محکم عمارت کے سایہ میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے، اور رہے گی، ان مقدس نفوس پر ہزاروں ہزار بار درود اور سلام ہے

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

دوسرا خطبہ

انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات، مزاج و منہج

عزیزانِ گرامی! پہلے خطبہ میں میری گفتگو کا موضوع تھا نبوت کی ضرورت اور اس کی قدر و قیمت کہ دنیائے انسانیت کو اس کی کتنی شدید ضرورت ہے، تہذیب و تمدن پر اس کے احسانات کس قدر ہیں، انبیائے کرام کی سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور دنیا میں ان کا پیغام کیا ہے؟ اور آج کے اس مبارک موقع پر میں نبوت کے طبعی خصائص اس کے خاص مزاج اور انبیا کی بنیادی خصوصیات اور امتیازات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز یہ کہ انبیائے کرام کا یہ مقدس طبقہ کن امور میں انسانی طبقات کے دوسرے مفکرین اور مصلحین سے ممتاز ہوتا ہے۔

مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم

مصنوعی اور خود ساختہ انداز و اسلوب، سیاسی طور طریقوں، قیادت و تنظیم کی راہوں اور تعلیم و تربیت کے جدید اصولوں نے مقام نبوت کے فہم و ادراک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، یہ انداز فکر اور طریق کار بجائے خود قابل قدر ہے انھوں نے جاہلوں میں تعلیم کی اشاعت معیار زندگی کو

بلند کرنے، مفاسد کا مقابلہ کرنے اور غلام ملکوں کو آزادی کی دولت عطا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دی ہیں، اور یہ تمام کے تمام لائقِ سپاس وستائش ہیں، لیکن یہ اسالیب و انداز فکر لوگوں کے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئے ہیں، ان کی طبیعت اور ان کی سیرت و کردار میں اس حد تک رچ بس گئے ہیں اور ان کے عزم و ارادہ اور طاقت وقوت کے سرچشموں، اعمال اور محنت ومشقت پر ابھارنے والے جذبوں، غور وفکر اور کامیابی وکامرانی کے پیمانوں کی صورت میں اس طرح ڈھل گئے ہیں کہ وہ لوگ اس پہلو کے علاوہ منصب نبوت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا تصور ہی نہیں کرتے، نہ اس عینک کے بغیر ان کی طرف دیکھتے ہیں، اس زمانہ میں بعض اسلام پسند مصنفین اہل قلم اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے داعی اور علمبردار بھی انھیں خیالات واثرات کے سامنے سپر انداز ہو گئے ہیں، اور انھوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کی سیرت کی تفسیر وتعبیر، جدید سیاسی اور معاشرتی اصطلاحات کی زبان میں شروع کردی ہے، جو اہل زمانہ کے لئے نبوت کا حقیقی منصب، انبیائے کرام کے مزاج، ان کے پیغامات کی حقیقت اور ان کے اعمال کے صحیح رُخ کو سمجھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے اور ان کی اتباع اور ان کی صحیح عظمت ومقام پہچاننے میں مانع ہو رہی ہے، اور ذہن کو ایسے راستے کی جانب موڑ رہی ہے، جو نبوت کے مزاج ومنہاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

سیاسی طرزِ فکر، جدید سیاسی اصطلاحات، اور موجودہ زمانہ میں سیاست وریاست کی اہمیت کا ذہن وفکر، طرز ادا، اور تقریر وتحریر پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے، کہ دعوتِ اسلامی کے بعض داعی اور قائد اور بلند پایہ اہل قلم بھی اپنی تحریروں میں بے تکلف وہ سیاسی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرنے لگے ہیں، جن کے ساتھ خاص مفاہیم وافکار پیوست، اور ایک خاص تاریخ وابستہ ہے، اور جن کا ایک خاص پس منظر ہے، مزید برآں وہ اپنا ایک مخصوص ومحدود

مفہوم رکھتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح اور مزاج کی صحیح ترجمانی کرنے سے
نہ صرف قاصر ہیں، بلکہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں شکوک و بدگمانیاں پیدا ہونے کی بھی باعث
ہوتی ہیں، مثلاً "انقلاب" "بغاوت" "جمہوریت" "اشتراکیت" اور "نظام" کے الفاظ کہ ان میں
سے ہر ایک کا خاص مفہوم ہے، جس نے خاص حالات، ماحول اور حوادث و واقعات کے سایہ
میں نشو و نما حاصل کیا ہے، اور ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں، اور ان سے ایک خاص طرح کے
تجربات و تاثرات وابستہ ہیں، جن کو ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی
دعوت بعثت نبوی اور اس کے اثرات و برکات کے ذکر کے سلسلے میں قرآن مجید اور شریعت دین
کی زبان نے جو تعبیر اور طرز ادا اختیار کیا ہے، اسی کا اختیار کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ وہ
ہر طرح کی غلط فہمیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے مبرّا ہے، اور اسی سے دین کی صحیح روح اور اس کے
اصل مزاج سے آشنائی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع پر قرآن کا مخلصانہ اور گہرا مطالعہ کیا جائے،
جو خارجی اثرات اور "غیروں" کے تصورات سے بالکل آزاد ہو۔ اسی طرح اس پر ہمارے
ذاتی رجحانات اور خواہشات سایہ فگن نہ ہوں، ممکن ہے کہ ہماری خواہشات معیوب نہ ہوں،
بلکہ مستحسن ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فطری اور طبعی ہوں، لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں کہ قرآن سے
ہر مستحسن چیز کے لئے دلیل و سند کا کام لیا جائے، یا انبیائے کرامؑ کی سیرتیں ہر اچھی دعوت اور
جد و جہد کا ساتھ دیں، قرآن کے مطالعہ اور تفہیم کو زمانہ کے محدود پیمانوں کا پابند نہیں بنانا چاہئے
کیونکہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور و فکر کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت

کو کبھی کبھی قرار نہیں، بیر بڑھتی اترتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں جو نظریہ پیدا ہوا یا جو اصطلاح وضع کی جائے، جائز نہیں کہ اسی نظریہ یا اصطلاح کو اگلے زمانہ یا اگلے ماحول پر بھی جوں کا توں منطبق کر دیا جائے قرآن ایک آسمانی کتاب ہے، مستقبل ہے اپنی منفرد شخصیت رکھتی ہے، علوم انسانی کا پورا خزانہ اور اس کے سارے نظریات ریت کے پھیلتے ہوئے ٹیلے کی مانند ہیں، جو بکھرتا بھی ہے، اور پھیلتا بھی سمٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی، اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا درست نہیں، پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن اپنے بلند آسمانی مقام، اور اپنے مستقل، مضبوط اور ابدی بنیادوں سے گر کر ریت کے اس بے ثبات ٹیلے پر آرہے!!؟

انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق

پہلی اور اہم ترین خصوصیت جس میں انبیائے کرام علیہم السلام دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں یہ ہے کہ جس علم کی وہ لوگوں میں نشر و اشاعت کرتے ہیں جس عقیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، اور جس پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری، ان کے سپرد کی جاتی ہے، وہ نہ تو ان کی ذہانت کی پیداوار ہے، نہ اس فساد اور تکلیف دہ صورت حال کا رد عمل ہے جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں، نہ ان کے لطیف و نازک شعور یا ذکی و حساس قلب کا ساختہ پرداختہ، نہ ان کے وسیع اور حکیمانہ تجربات کا نتیجہ، بلکہ اس کا منبع و ماخذ وحی آسمانی اور الہی پیغامات ہیں، جن کے لئے وہ منتخب کئے گئے ہیں، اور جس کا ان کو شرف بخشا گیا ہے، لہذا کبھی بھی دوسرے حکماء، زعماء، مصلحین اور ان تمام رہنماؤں پر ان کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، جن کا انسانیت اور اصلاح و تربیت کی طویل تاریخ نے تجربہ کیا ہے، جو یا تو معاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں یا اپنی حکمت و ذہانت کا نتیجہ یا ماحول کی صدائے بازگشت یا اپنے ارد گرد پلتے ہوئے فساد اور انارکی کے لاوہ کا

ردعمل اور اس کے خلاف ایک صدائے احتجاج۔

اس ردعمل کے اثرات (جو بعض اوقات غوروبین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے) بہت سے ان اسلام پسند مصنفین اور داعیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں، جن کو موجودہ مادی فلسفوں مغربی سیاست و اقتدار کی کامیابی، اور اپنے ملک کے مسلمانوں کی غیر منظم زندگی یا غلامی نے اسلام کے مطالعہ صورت حال کا مقابلہ کرنے، اور ان فلسفوں اور نظامہائے حیات کے متوازی اسلامی فلسفہ اور نظام حیات کے پیش کرنے پر آمادہ کیا، انکی تحریروں اور تعبیروں اور ان کے طریق فکر میں اس "ردعمل" کے عکس اور سائے اس شخص کو آسانی کے ساتھ نظر آسکتے ہیں، جس کو ماحول کے اثرات، اور عمل و ردعمل کے سلسلے سے آزاد ہو کر کتاب و سنت کے براہ راست مطالعہ کا موقع ملا ہے، پھر وہ ان جدید فلسفوں اور نظامہائے حیات کی آہنی گرفت اور جسم و جان میں پیوست ہو جانے والے اثرات سے بھی واقف ہے۔

ان جدید تحریروں اور اسلام و مسلمانوں کی جدید نشاۃ ثانیہ کی کوششوں میں اور نائبین انبیاء اور مجددین و مصلحین کی دعوت و فکر میں جن کو علمی و دینی رسوخ کی دولت یا ایانی صحبت و تربیت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ایک واضح فرق محرکات عمل اور مقاصد کا ہے، پہلے گروہ کی کوشش و فکر کا بڑا محرک حصول قوت و اقتدار یا غلبہ و عزت، اسلامی ریاست کا قیام، اور حیات انسانی کا نظم دسکون اور ثانی الذکر کا اصل محرک رضائے الٰہی کا حصول، آخرت کی کامیابی، ایمان و احتساب کا جذبہ اور اتباع نبوی و اعلائے کلمۃ اللہ کا شوق ہے، اور انھیں جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ (القصص ۸۳)	وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کیلئے (تیار) کر رکھا ہے، جو ملک میں فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات قرآن کی ہے، جو سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کی گئی ہے:۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○[1]

یہ بھی کہدو کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو میں ہی یہ کتاب تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ ۔ تمہیں اس سے واقف کرتا میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○[2]

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے قرآن بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک اے محمدؐ تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو

اور اسی طرح ارشاد ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ○[3]

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائیگی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے نازل ہوئی تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا

اور اسی طرح اس مقام سے آپؐ کی عدم موجودگی کے ذکر کے بعد جہاں ان حادثات و

---

[1] یونس ۱۶ [2] الشوریٰ ۵۲ [3] القصص ۸۶ ۔

واقعات کا ظہور ہوا تھا جن کو آپ اپنی قوم کے سامنے بیان فرما رہے تھے، فرمایا گیا:۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝[1]	اور نہ تم اس وقت جبکہ ہم نے موسیٰ کو آواز دی طور کے کنارے تھے، بلکہ تمہارا بھیجا جانا تمہارے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

قرآن رسالت و نبوت کے مزاج اور اس کے اصول اور اس کے منبع و مصدر کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ أَنْ أَنْذِرُوٓا أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاتَّقُونِ۔[2]	وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی سے ڈرو۔

اسی وجہ سے رسول نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل کے سامنے جھکتا ہے، نہ خارجی وقتی حادثات کے سامنے، اور نہ اپنی رسالت کو اس رخ پر موڑتا ہے، جدھر ماحول یا حالات مڑتے ہیں، یا معاشرہ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کے بارہ میں فرماتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔[3]	اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ قرآن تو حکم خدا ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

---

[1] القصص ۴۶   [2] النحل ۲   [3] النجم ۳، ۴

اسی طرح رسولؐ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ اپنے پیغامات اور اللہ کے احکام میں تغیر یا تبدیلی پیدا کر سکے، یا کچھ کمی و زیادتی کر سکے، اللہ اپنے رسول کی طرف سے کہتا ہے:۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ [1]

کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔

اللہ نے آپ سے مداہنت کی بھی نفی کی ہے اور آپ کو اس سے محفوظ رکھا، چنانچہ فرماتا ہے:۔

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ [2]

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

اور اللہ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنے، ایسی باتیں بیان کرنے جن کو اللہ نے نہ کہا ہو، یا اس کی وحی و فرمان میں کمی یا زیادتی پر رسول کو دردناک اور رسوا کن عذاب کی دھمکی دی ہے۔

تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ

اور یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنا لاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس سے

---

[1] یونس ۱۵ [2] القلم ۹

حَاجِزِيْنَ ○[1] روکنے والا نہ ہوتا۔

اور لفظاً و معنیً ہر اعتبار سے رسالت کی کامل و مکمل تبلیغ کا حکم دیا چنانچہ فرماتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○[2]	اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بیشک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہی ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مصلحین اور رہنماؤں کے مابین فرق و امتیاز کو واضح کرنے والا بنیادی وصف، وہ رہنما جن کے پیغامات اور جن کی جدوجہد ان کے ماحول، تہذیب و تمدن اور ان کے احساس و شعور کی پیدا کردہ ہوتی ہے، اور یہ ماحول یا باشعور ذہنوں پر چھائی ہوئی بے اطمینانی و اضطراب کا ردعمل، یہ رہنما ہمیشہ مصلحت اور ضرورتِ وقت کا لحاظ رکھتے ہیں، اکثر حالات کے سامنے جھک بھی جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں بعض اصولوں کو ترک کرنا پڑتا ہے، اور کبھی دوسری جماعتوں سے معاملہ بھی کرتے ہیں، "لین دین" کا طریقہ اپناتے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا اصول یہ ہوتا ہے۔ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

انبیاء کی دعوت میں حکمت و تیسیر

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اپنی دعوت و تبلیغ میں

---

[1] الحاقۃ ۴۳-۴۷ [2] المائدہ ۶۷

حکمت و مصلحت کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے نہ لوگوں کی طبیعتوں اور ان کی توجہ کا خیال رکھتے ہیں، نہ مناسب جگہ مناسب حالات طبیعت میں نشاط اور دلوں کی توجہ کی فکر کرتے ہیں، نہ دعوت میں آسانی اور تدریج کو ملحوظ رکھتے ہیں، نہیں بلکہ یہ تمام امور تو دین کی سہل و سادہ فطرت اللہ کی حکمت بلیغہ اور انبیائے کرام کی حکیمانہ طبیعتوں کا تقاضا ہیں، جن کو دلائل و آثار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، واقعات شہادت دے رہے ہیں، اور دعوت و تبلیغ کی تاریخ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

قرآن کہتا ہے:-

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔[1]	اور ہم نے قرآن کو جز جز کر کے اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔[2]	ارادہ کرتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتا ہے سختی کا۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔[3]	اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ۔[4]	اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو آسانی برتنے اور

---

[1] بنی اسرائیل ۱۰۶ [2] البقرہ ۱۸۵ [3] الفرقان ۳۲ [4] الحج ۷۸

خوشخبری سنانے کا حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے یمن کا بھیجتے وقت فرمایا۔

یسّرا ولا تعسرا، بشّرا ولا تنفرا۔[1]	یعنی دین کو آسان بنا کر پیش کرنا سخت بنا کر نہیں اور لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا۔

اسی طرح آپ نے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا۔

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔[2]	تم آسانی برتنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں۔

کبھی کبھی آپ بڑی اہم اور ہمہ گیر مصلحتوں کے پیش نظر جزئی مصلحت والے کاموں کو مؤخر کر دیتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لولا حداثة قومكِ بالكفر لنقضت البيت ثم لبنيته على اساس ابراهيم عليه السلام۔[3]	اگر تمہاری قوم (اہل مکہ) نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں بیت اللہ کو توڑ کر پھر سے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کے اکتا جانے کا خیال کرکے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعض دن وعظ میں ناغہ کر دیا کرتے تھے۔[4] حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معاذ بن جبل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور یہاں سے لوٹ کر جاتے تو اپنے محلہ والوں کی امامت کرتے، ایک دن عشا کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھی جس سے ایک آدمی نماز سے الگ ہو گیا، حضرت معاذؓ اس سے کھنچے کھنچے رہتے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا "فتان، فتان، فتان" فتنہ انگیز، فتنہ انگیز،

---

[1] بخاری صـ۶۲۲ [2] ایضاً صـ۳۵ ج ۱ [3] ایضاً صـ۲۱۵ ج ۱ [4] ایضاً

فتنہ انگیز (تین بار) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا "میں نماز فجر میں اس وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں (جماعت میں شریک نہیں ہوتا) کہ فلاں صاحب اس کو بہت لمبی کر دیتے ہیں" تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بہت غضبناک ہو گئے، اس سے زیادہ غضبناک میں نے آپ کو کسی وعظ میں کبھی نہیں دیکھا اور آپ نے فرمایا۔

یاایھا الناس ان منکم منفرین فمن أم منکم الناس فلیتجوز فان خلفه الضعیف والکبیر وذا الحاجة[۲]	لوگو! تم میں سے بعض لوگ لوگوں کو دین سے متوحش اور دور کر دیتے ہیں، تم میں جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو چاہیئے کہ اختصار کرے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھے اور ضرورتمند بھی ہیں۔

اس طرح کے دلائل وشواہد بے شمار ہیں، اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تو یہ تمام روایات مشہور ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اور انبیائے سابقین کے بارہ میں بھی یہی ماننا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو حکمت کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔

اٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔[۳]	اور دی ہم نے اس کو (داؤدؑ کو) حکمت اور فیصلہ کن بات۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔[۴]	یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکمت اور نبوت۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور حکمت ومصلحت کا لحاظ اور طبیعتوں کی توجہ اور

---

[۱] بخاری [۲] ایضاً [۳] ص ۲۰ [۴] انعام ۸۹

آمادگی کا خیال صرف تعلیم وتربیت اور جزوی مسائل ہیں ہے جن کا عقائد یا دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہ ہو، مگر جن امور کا تعلق عقائد بنیادی اصولوں فرائض اور منصوصات سے ہے جو کفر وایمان اور توحید وشرک کے مابین فارق اور ممیز کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن کا تعلق اسلامی شعائر اور حدود اللہ سے ہے ان تمام میں انبیائے کرام (وہ کسی زمانہ میں بھی رہے ہوں) فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ان میں نہ تو وہ کمزوری دکھا سکتے ہیں، نہ نرمی برت سکتے، اور نہ کسی قسم کا معاملہ اور سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔

دعوتِ انبیاء کا سب سے اہم رکن

انبیاء کی دوسری خصوصیت توحید کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبد ومعبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک کی بندگی کی دعوت، ہر زمانہ اور ہر ماحول میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پہلی دعوت اور ان کا سب سے بڑا اور اہم مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعا، توجہ اور قربانی کا مستحق ہے، ان کے جہاد کا رخ اپنے زمانہ میں جاری وساری "وثنیت" کی طرف متوجہ رہا ہے، جو مورتیوں اور مقدس وصالح زندہ ومردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت وعظمت اور معبودیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے اور (بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ) علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری

انھیں کے سر ڈال دیتا ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی، اس سے جنگ کرنا، اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلانا نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا منتہیٰ اور ان کی جد و جہد کی غایت اصلی تھی اور یہی ان کی زندگی اور ان کی دعوت کا اصل مرکز تھا، ان کی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی تھیں، وہ یہیں سے آگے بڑھتے تھے، اور یہیں واپس لوٹتے تھے، یہیں سے شروع کرتے تھے، اور پھر یہیں آکر ختم کرتے تھے، قرآن کبھی تو ان کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ[1]	اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے، اور بتلاتا ہے کہ اس کی دعوت کی ابتدا اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، چنانچہ کہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ○[2]	اور ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف بھیجا (تو انھوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھ تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

---

[1] انبیاء / ۲۵ [2] ہود ۲۵، ۲۶

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ؁[1]

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انھوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم شرک کرکے خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ[2]

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انھوں نے کہا کہ قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا کا قبول کرنے والا بھی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ[3]

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو انھوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

---

[1] ہود ۵۰ [2] ایضاً ۶۱ [3] ایضاً ۸۴

اور ابراہیم علیہ السلام کی توحید الوہیت اور بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے اجتناب کی دعوت تو بہت ہی صریح اور واضح ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝[1]	اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے، جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کی پرستش پر تم معتکف و قائم ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے، ابراہیم نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ	اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو جب انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں انھوں نے کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح

---

[1] انبیاء ۵۱-۵۴

عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ الَّذِي
خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي
هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ وَإِذَا مَرِضْتُ
فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ
يُحْيِينِ ۝ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لِي
خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ[١] ۝

کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ
جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے
باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے
رب العالمین میرا دوست ہے جس نے مجھے
پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے اور وہ
مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں
تو مجھے شفا بخشتا ہے اور جو مجھے مارے گا اور
پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں
کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ
صِدِّيقًا نَّبِيًّا إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَ
لَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا[٢] ۝

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ نہایت
سچے پیغمبر تھے جب انھوں نے اپنے باپ سے
کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں
جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ
کام آسکیں۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا
اللَّهَ وَاتَّقُوهُ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن
كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِن
دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا

اور ابراہیم کو یاد کرو جب انھوں نے اپنی قوم
سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اگر تم
سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تو تم
خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو

---

[١] الشعرا ٦٩–٨٢ [٢] مریم ۴۱، ۴۲۔

إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ٥[1]	تو جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔
وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ٥[2]	اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لئے مگر پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کی دوستی سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں بھی توحید کو امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ قید میں ان کے تبلیغ اور حکمت آمیز وعظ کے ذکر میں قرآن میں ہے:۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي، إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ	یوسفؑ نے کہا جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں انکا

---

[1] عنکبوت ۱۶، ۱۷ [2] ایضاً ۲۵

آبَائِیْ إِبْرَاهِیْمَ وَإِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ، یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ، مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّیْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ، إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوْا إِلَّا إِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ [۱]

مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب پر چلتا ہوں ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدائے یکتا و غالب! جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی، سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ (قدیم مصریوں کے عقیدہ میں) سب سے بڑے معبود سورج کا مظہر ہے، وہ کہتا تھا، "أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى" (میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب) اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سنی تو کہا:۔

---

[۱] یوسف: ۳۷-۴۰

يَاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ[1]

اے اہل دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔

اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی:۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ[2]

اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا۔

اور قرآن نے "بت پرستی" کو "شرک اکبر" "گندگی" اور "جھوٹی بات" کا نام دیا ہے' اور بہت زوروں سے اس کے معائب بیان کئے ہیں' چنانچہ سورۂ حج میں ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ[3]

یہ ہمارا حکم ہے اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سوا ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا کر اور جو شخص کسی کو خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

---

[1] القصص ۳۸ [2] شعراء ۲۹ [3] الحج ۳۰، ۳۱۔

ازل سے تا امروز

یہی بت پرستی اور شرک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت اور مسکنت کا اظہار، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا اور مدد کی طلب اور ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر اور ابدی جاہلیت ہے، اور یہی نوع انسانی کی پرانی کمزوری اور قدیم ترین مرض ہے، جو زندگی کے تمام مراحل، تغیرات اور انقلابات میں نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو بلند درجات سے گرا کر عمیق گڑھوں میں ڈال دیتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيٓ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ [1]	ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کر دیا۔

اور یہی جاہلیت انسانوں کو مسجود ملائک کے بلند و بالا مقام سے گرا کر ضعیف مخلوقات اور ذلیل و بے حقیقت اشیاء کے سامنے سجدہ ریز کر دیتی ہے، اور انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کر دیتی ہے، قادر مطلق پر اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی، اور خود شناسی کا فاتحہ کر دیتی ہے، اور سمیع و بصیر، صاحب قدرت و قلم، صاحب جود و عطا، اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کی لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور،

---

[1] التین ۴، ۵

عاجز، فقیر اور حقیر مخلوقات کے زیرِ سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتی ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں،

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ
فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ذَٰلِكُمُ اللَّهُ
رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ، وَالَّذِينَ تَدْعُونَ
مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝
إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ
وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ، وَيَوْمَ
الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ
مِثْلُ خَبِيرٍ ۝ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ
إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ [1]

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور وہی دن کو
رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور
چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک ایک وقت
مقرر تک چل رہا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے،
اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے
سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر
بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو
تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو
تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت
کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے
اور خدائے باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دیگا
لوگو تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پروا
سزاوار حمد وثنا ہے۔

قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں

یہی شرک وبت پرستی (مابعد الطبیعیاتی حدود کے اندر رہی) اپنی تمام واضح اور غیر واضح شکلوں کے ساتھ، ہر زمانہ، ہر ماحول اور ہر معاشرہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کے

---

[1] فاطر ۱۳-۱۵

ہمارا کا موضوع رہا ہے اور اسی نے اہل جاہلیت کی آتش غضب کو بھڑکا دیا اور وہ چیخ پڑے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ[1]	کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے اور بولے کر چلو اور اپنے معبودوں کی پوجا پر قائم رہو بیشک یہ ایسی بات ہے جس سے تم پر شرف و فضیلت مقصود ہے یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔

اور جس صاحب عقل و فہم نے بھی عہد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو اور صحابہ کرام کے حالات سے باخبر ہو اس کو اس امر میں ذرا بھی شبہ نہ ہوگا کہ ہماری پیش کی ہوئی آیتوں سے صحابہ کرامؓ یہی عریاں وثنیت، مورتیوں اور بتوں کی کھلی پرستش اگزرے ہوئے یا موجود اشخاص کی تقدیس و تعظیم ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان کے لئے نذر و نیاز ان کے ناموں کی قسمیں، ان کی عبادت سے اللہ کے قرب کا حصول، ان کی شفاعت پر یقین کامل، اور ان سے نفع و نقصان اور مصائب کے ازالہ کی درخواست وغیرہ ہی کا سمجھتے رہے ہیں، اور اسی طرح "الٰہ" "رب" "عبادت" اور "دین" سے بھی ان کلمات کا صرف دینی مفہوم ہی سمجھا ہے، اور ان کے اسالیب کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اقوال و آثار میں بے شمار مقامات پر یہی مفہوم مراد ہے، اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

---

[1] صٓ ۵-۷۔

دینی دعوت وتحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہیئے

اور یہی قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔[1]	اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کا شعار ہے، رہے جاہلیت کے دوسرے مظاہر، جیسے غیر اللہ کی اطاعت، ان کی قوت حاکمہ کو تسلیم کرنا غیر الٰہی قوانین کو قبول کرنا اور ایسی حکومت تسلیم کرنا، اور اس کے احکام وقوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جو خلافت الٰہیہ کی بنیادوں پر قائم نہ ہوئی ہو، تو یہ سب اسی بت پرستی اور شرک کے تابع ہیں، اور ان کا درجہ اس کے بعد ہے، اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ سابق الذکر شرک جلی کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے، یا سیاسی اطاعت وحکومت کو اور اس کو ایک درجہ میں رکھا جائے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ گذشتہ قدیم جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے جس کا زمانہ گزر چکا اور اب اس کا دور بھی ختم ہو چکا، کیونکہ یہ انبیائے کرام کی دعوت ان کی جدوجہد اور ان کی مقدس کوششوں کے حق میں بداندیشی ہوگی اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت ہے) کی ابدیت میں شک وشبہ کے مترادف ہوگا، اور اس ایمان واعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنی ہوگا کہ انبیائے کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کار ہے جس کو اللہ نے

---

[1] زخرف ۲۸۔

پسند فرمایا ہے اور اس کے لئے اس قدر تائید و توفیق، کامیابی و کامرانی اور بارآوری مقدر فرمائی ہے، جتنی کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کار کے لئے نہیں۔

نوجوان داعیوں اور انشاپردازوں سے

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانشگاہ سے انشاء اللہ داعی اور مصلح، انشاپرداز اور مصنف اور قائد و رہنما بن کر نکلو گے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں تم کو ایک نصیحت کرتا چلوں جو طویل مطالعہ کا حاصل اور تجربات کا نچوڑ ہے، اور تم اس کی صحیح اہمیت اور اس کی قدر و قیمت طویل تجربات کے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔

خبردار! تمہاری تحریریں، اور اسلام، اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کے پیش کرنے کا تمہارا انداز ہرگز قاری کو یہ تاثر نہ دینے پائے کہ مسلمان اس طول وطویل مدت میں مسلسل جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے، اور دین کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے، جو کہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کا دین ہے اور اسی طرح قرآن کی بنیادی اصطلاحات اور تعبیروں کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طویل مدت میں یہ کتاب غفلت اور جہالت کی نذر رہی، اس کے حقائق کو سمجھا نہیں جا سکا، اور نزول کے تھوڑے ہی مدت کے بعد اس سے استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ تصور قرآن کی آیت مبارکہ "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (ہمیں نے اتاری ہے یہ نصیحت یعنی قرآن اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ فضل و احسان کے موقع پر حفاظت کے وعدہ میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہوتا ہے، اور ایسی کتاب کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے، جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے، نہ سمجھی جائے

نہ اس پر عمل کیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۚ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۚ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ[1]

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اس کو سنا کرو اور پھر اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

غور و فکر کا یہ انداز، جسے دور حاضر کے بعض مفکرین اور انشا پرداز اختیار کر رہے ہیں، اس ابدی اور انقلاب آفریں صلاحیتوں اور کارناموں سے بھرپور امت پر ایک طویل المیعاد فکری قحط اور ذہنی و علمی تعطل کا الزام عائد کرتا ہے، جو درخت اپنی زندگی کی بہترین مدت میں برگ و بار نہ لائے اور بے حاصل اور بے ثمر پڑا رہے، اس کی افادیت اور فطری صلاحیت مستقل طور پر مشکوک ہو جاتی ہے، اور اس سے مستقبل میں بھی کسی بڑی بھلائی کی امید کرنی مشکل ہے۔[2]

---

[1] القیامہ ۱۷-۱۹

[2] نمونہ کے طور پر یہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی کی مشہور و مقبول کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، مصنف "الٰہ" "رب" "دین" "عبادت" کے قرآنی کلمات اور اسلامی اصطلاحات کا ذکر کرنے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ نزول قرآن کے وقت اسکا ہر مخاطب جس کی زبان عربی تھی، ان چاروں بنیادی اور قرآنی اصطلاحوں کے صحیح معنی اور مفہوم سے آشنا تھا لکھتے ہیں:۔

"لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہو گیا" (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص ۲)

(باقی صفحہ پر)

یہ نتیجہ اگرچہ بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم اور سنگین نہ معلوم ہو لیکن اس کے اثرات ذہن
و دماغ اور طرز فکر پر بڑے گہرے اور دور رس ہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کی صلاحیت ہی میں
شک و شبہ پیدا کر دیتا ہے، جو نہ صرف اس دین و پیغام کی حامل ہے بلکہ اس کو دنیا میں پھیلانے
اس کی تشریح کرنے اور اس کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے، اور اس سے اس امت کی گذشتہ
تاریخ، اس کے مجددین، مصلحین اور مجتہدین کے علمی و عملی کارنامے بھی مشکوک اور کم قیمت ہو جاتے
ہیں، اور آئندہ کے لئے بھی یہ بات بڑی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ جو کچھ کہا اور سمجھا گیا ہے وہ صحیح ہے؛

(باقی ص۶۷ کا) "پھر اس کے وجوہ و اسباب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا
کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہو گیا۔" (ص۸)

پھر اس غلط فہمی کے نتائج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے
کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور
ہو گئی ہے اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد و اعمال میں جو نقائص نظر
آ رہے ہیں، ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔" (ص۱۰)

ان عبارتوں کا پڑھنے والا جس کا مطالعہ گہرا اور وسیع نہیں ہے اور جو اس حقیقت سے واقف نہیں
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عام گمراہی اور دین سے ایسی ناآشنائی سے محفوظ رکھا ہے جو زمان و مکان کے
حدود سے بے نیاز ہو کر ساری امت پر سایہ فگن ہو، یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حقیقت اس طویل مدت تک امت
کی (یا زیادہ محتاط الفاظ میں امت کے اکثر افراد کی) نگاہ سے اوجھل رہی اور امت بحیثیت مجموعی ان بنیادی
الفاظ کی حقیقت ہی سے بے خبر رہی، جن کے گرد اس کتاب کا پورا نظام گردش کرتا ہے، اور جن پر اس کی تعلیمات
اور دعوت کی عمارت قائم ہے، اور یہ پردہ اس صدی کے وسط ہی میں اٹھ سکا۔

اور جو کچھ کہا اور سمجھا جائے گا وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اس سے "ظاہر و باطن" اور "مغز و پوست" کے اس فلسفہ اور دینی حقائق کو ایک نہایت عسیر الفہم معمہ اور چیستاں قرار دینے کی سعی کو شہ ملتی ہے جس سے باطنیوں کے مختلف فرقوں نے مختلف زمانوں میں فائدہ اٹھایا۔

یہ اس علمی حقیقت اور عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ یہ دین اس نسل کو صرف کتابی شکل میں نہیں ملا، بلکہ ایک نسل نے دوسری نسل تک اس کے الفاظ و مفاہیم بلکہ طریق عمل تک کو منتقل کیا، اور توارث کا یہ سلسلہ لفظاً و معنیً دونوں میں جاری رہا، نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو جا بجا "الکتاب المبین" اور "عربی مبین" کے الفاظ سے یاد کیا ہے[1] اور ایک جگہ اس کی آیات کے محکم اور مفصل ہونے کا ذکر کیا ہے[2] یہ صفات اور تعریفیں بھی اس خیال کے منافی ہیں کہ قرآن مجید کے متعدد بنیادی حقائق طویل عرصہ تک پردۂ خفا میں رہے۔

اس طرز تحقیق اور طرز کلام سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ امت پر ایک ایسا طویل دور گذرا ہے، جب وہ قرآن مجید کے ایسے اہم بنیادی اصطلاحات کے صحیح مفہوم اور مضمرات سے ناآشنا رہی ہے، جن پر اس کے صحت فکر اور صحت عمل کا دارومدار ہے اور جس کو صریح جہالت و غفلت، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ضلالت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، حالانکہ کتاب و سنت اور احادیث کے ذخیرہ سے مجموعی اور اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امم سابقہ کے برخلاف یہ امت کسی دور میں بھی عمومی و عالمگیر ضلالت میں مبتلا نہیں ہوگی، جلیل القدر محدثین و علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگرچہ مشہور روایت "لا تجتمع أمتي على ضلالة" لفظاً و سنداً ثابت نہیں ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیح ہے، مشہور اندلسی محدث و ناقد علامہ ابو محمد علی بن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی کتاب "الإحکام في أصول الأحکام" میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] ملاحظہ ہو سورہ یوسف آیت ۱-۲، الشعراء ۱۹۲-۱۹۵ [2] ہود ۱-

"محدثین کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ امت محمدی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی غیر حق پر متفق نہیں ہو سکتی ، اس لئے کہ آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ ہر دور میں حق کے علمبردار رہیں گے ' بیان کیا گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "لا تجتمع أمتي على ضلالة" اگرچہ اس کے الفاظ وسند درجۂ صحت کو نہیں پہونچے[1] لیکن اس کا مفہوم اور نتیجہ ان احادیث کی بناء پر جن میں ہر دور میں حق پر قائم رہنے والوں کی خبر دی گئی ہے صحیح اور ثابت ہے[2]"

حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ امت ایک سنت پر عمل کرنے کے ترک پر کبھی مجتمع نہیں ہوئی سوائے اس سنت کے جس کا نسخ ظاہر وثابت ہے[3]۔

حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر میں سورۂ نساء کی آیت "وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس امت کے لئے اس بات کی ضمانت کی گئی ہے کہ وہ کسی غلط چیز پر متفق ہو جانے سے محفوظ کردی گئی ہے[4]"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اجماع کی بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

"امت کا اجماع اپنی جگہ پر حق ہے اس لئے کہ امت الحمد للہ کسی ضلالت پر

---

[1] یہ علامہ ابن حزم کی رائے ہے ، ورنہ مشہور محدث وناقد حدیث علامہ سخاوی کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کا متن مشہور ہے اور اس کے اسانید کثیر اور اس کے شواہد متعدد ہیں ۔ (المقاصد الحسنة)

[2] الاحکام ج ۴ صہ ۱۳۱ ، طبعۂ اولیٰ مطبعۃ سعدہ مصر۔

[3] اعلام الموقعین ، ج ۲ صہ ۳۲۰

[4] تفسیر ابن کثیر ج ۲ مطبع دار الاندلس صہ ۳۹۳

صحیح نہیں ہوسکتی! جیسا کہ کتاب وسنت میں اس کی صفت میں بیان کیا گیا ہے
ارشاد ہے کہ "کنتم خیر امۃ......" نیز "الذی یجدونہ مکتوبا
عندھم فی التوراۃ والانجیل یأمرھم بالمعروف وینھاھم
عن المنکر" نیز "والمؤمنون بعضھم اولیاء بعض یامرون
بالمعروف وینھون عن المنکر" تو اگر امت دین کے بارے میں کسی
ضلالت کی معتقد ہو جائے تو گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں
کیا گیا، اسی طرح ارشاد ہے "وکذلک جعلنٰکم امۃ وسطا......"[1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس اندازِ فکر میں اس اہمیت ومقبولیت کو بھی بڑا دخل ہے، جو ہمارے زمانہ میں سیاسی اقتدار، سیاسی اداروں اور تنظیموں نے حاصل کرلی ہے "اسلامی نظام کا اجراء، حکومت الٰہیہ کا قیام اپنی جگہ پر نہایت صحیح اور ضروری مقاصد ہیں، جن میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں، مسلمان اہلِ فکر اور اہل قلم کا فرض ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اور پوری صلاحتیں اس عظیم مقصد کے حصول میں لگا دیں، لیکن اس مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیات و اصطلاحات سے بہ تکلف اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور سارے قرآن کو اسی رنگ میں دیکھنے کی ضرورت نہیں، ان کی ترغیب وتاکید اور ان کی اہمیت وعظمت کے ثبوت کے لئے کتاب و سنت کے ذخیرہ میں واضح دلائل ونصوص موجود ہیں، (اور انھیں کی روشنی ورہنمائی میں ہر دور کے صحیح الفہم اور عالی ہمت مسلمان مصلحین اور داعیوں نے کوشش کی) ان کی موجودگی میں ان تکلفات کی کوئی حاجت نہیں۔"[2]

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۹ ص ۱۷۶۔

[2] حال میں راقم سطور کو ایک مسلمان فاضل کے مقالہ کے سننے کا موقعہ ملا جس میں انھوں نے (باقی ص ۸۲ پر)

دعوت انبیاء میں عقیدۂ آخرت کا اہتمام

نبوت کے خدّوخال نمایاں کرنے والی صفات اور اس کی علامتوں اور خصوصیات کی دوسری اہم چیز ہے، عقیدۂ آخرت کا اہتمام، اس سے دلچسپی اور شیفتگی کا اظہار اس کی تبلیغ و تشہیر اور اس کی اہمیت پر اتنا زور کہ انبیائے کرام کی دعوت کا بنیادی نقطہ بن جائے جو لوگ انبیائے کرام کے اقوال و احوال کے مطالعہ میں زندگی گزارتے ہیں اور ان کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے، اور اس کی تصویر، نعمت و مصیبت اور سعادت و شقاوت کی تمام تفصیلات کیساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، اور وہ ہمہ وقت جنت کے شدید اشتیاق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، اور یہ فطری بات ہے، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اور ایک واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان کے شعور و احساس، اعصاب اور قوت فکریہ پر غالب آجاتا ہے، ہمارے لئے کافی ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطالعہ کریں جس کو قرآن نے نقل کیا ہے، جس وقت آپ نے آخرت کا ذکر کیا ہے، اور اس کی ہیبت و خوف کا تصور ذہن میں آیا ہے، قلبی جوش اور جذبات کا سیلاب رواں ہو گیا ہے، وہ

(باقی صفحہ کا) ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ "صلوٰۃ" آیا ہے اس سے مراد اسلامی حکومت اور اقتدار ہے، جہاں "صلوات" کا مطلق لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے، اور جہاں "الصلوٰۃ الوسطیٰ" کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے، یہ اس طرز فکر کا ایک نمونہ ہے، جو ایک قصداً مرکزی فکر کو سامنے رکھ کر سارے قرآن مجید کو بنیادی ذخیرہ کو اس کے مطابق بنانے اور اس سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں۔

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ	اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت
يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا	کے دن میرے گناہ بخشے گا اے پروردگار مجھے
وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ	علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر اور
لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝	پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر اور مجھے
وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝	نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے
وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ۝	باپ کو بخشدے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ	جس دن لوگ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے
لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ	مجھے رسوا نہ کیجیے جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ
اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝ وَاُزْلِفَتِ	دے سکے گا اور نہ بیٹے ہاں جو شخص خدا کے
الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ	پاس پاک دل لے کر آیا وہ بچ جائے گا اور
لِلْغٰوِيْنَ۔ [لہ]	بہشت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائیگی
	اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی۔

اسی طرح عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام بھی آخرت کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ اس وقت عظمت و سیادت کی انتہائی بلندی پر متمکن تھے اس کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سرسبز و شاداب ملک مصر ان کے تابع فرمان تھا اس میں انھیں کا سکہ چلتا تھا، بوڑھے باپ اور عزیز خاندان سے ملا کر اللہ تعالٰے نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلب کو مسرت سے معمور کر دیا تھا اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا اقبال اور

لہ الشعراء ۸۲-۹۱

جاہ و جلال دیکھ کر ان کے خاندان والوں میں بھی مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی یہ نعمتیں اور احسانات کسی عالی ہمت با حوصلہ مند شخص کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے کافی تھی لیکن اس وقت بھی یوسف علیہ السلام کے دل و دماغ پر آخرت اور حسن انجام کی فکر چھائی ہوئی تھی جس نے ان کی نظروں میں اس رفعت و عظمت کو بالکل بے حقیقت بنا دیا تھا ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی چنانچہ وہ شکر، دعا، رضا اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہتے ہیں۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔[1]

اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت سے بھر دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے دنیا سے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھا اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔

نصیحت اور موعظت کا اصل محرک

آخرت پر ایمان اور وہاں ملنے والی لابدی سعادت اور لازوال شقاوت اور ان تمام انعامات (جنھیں اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کر رکھا ہے) اور تمام عذابوں (جو نافرمان کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں) کا ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے ہوتا، یہی انبیائے کرام کی دعوت اور ان کی پند و نصیحت کا اصل محرک ہے یہی ان کو پریشان کرتا رہتا ہے

---

[1] یوسف ۱۰۱

ان کی آنکھوں سے نیند اڑا دیتا ہے، ان کی پرسکون و پاکیزہ زندگی کو مکدر کر دیتا ہے، اور ان کو کسی حالت میں سکون اور کسی پہلو قرار نہیں ملتا ان کی نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شر و فساد حالات کی ابتری اور ماحول میں خرابیوں کے پروان چڑھنے کی صورت میں - - - - - - -

- - - - - - - - - - ان کے دل و دماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز اور ان کے لئے سب سے طاقتور محرک یہی فکر آخرت ہے، اور وہ اسی کو اپنی دعوت و تبلیغ کی اصل وجہ اور خوف و اضطراب کا اصل سبب قرار دیتے ہیں، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام (سب سے پہلے رسول جن کا قرآن تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے) کے بارے میں ہے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ[1]	اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انھوں نے ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی جو پرانے انبیائے کرام میں سے ہیں اور ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے جن کو زندگی کی ساری سہولتیں میسر تھیں، جن کی دنیا بہت وسیع تھی، اور وہ بہت ہی خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ	اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو اس نے تمہیں چارپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے

---

[1] ہود ۲۵-۲۶

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ[1] ۔ مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے سخت دن کے عذاب کا خوف ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہے، یہ ایسی قوم میں مبعوث کئے گئے تھے، جن کی زندگی لطف وسعادت سے بھرپور تھی اور ان کی سرزمین سرسبزی وشادابی سے لہلہا رہی تھی۔

اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ[2] ۔ میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور اگر تم ایمان نہ لاؤگے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

عقیدۂ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر

یہ اندازِ نظر صرف انبیاء ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ ان کی قوت تاثیر اور فیضِ صحبت سے ان کے متبعین اور ان پر ایمان لانے والوں پر بھی اس کا اثر پڑا، اور ان پر بھی اس زندگی کی کم مائیگی، بے حقیقتی اور ناپائیداری اور اخروی زندگی کی عظمت وابدیت واضح ہوگئی اور یہ کہ آخرت ہی وہ اہم اور عظیم حقیقت ہے جس کے لئے مجاہدین جہاد کرتے ہیں، کام کرنے والے آگے بڑھتے ہیں اور مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ "مومن آل فرعون" کہتا ہے۔

یٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۔ بھائیو یہ دنیا کی زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی

---

[1] شعراء ۱۳۲–۱۳۵ [2] ہود ۸۴

مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝
مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى
اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ
ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝[1]

چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا
گھر ہے، جو برے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی
ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا
مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی
ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے
وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

اور فرعون کے جادوگروں کے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے چند ہی لمحے کے بعد جب فرعون نے ان کو دردناک سزا کی دھمکی دی اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ سزا کیا تھی ان کی سزا تجویز ہوئی تھی ان کے ہاتھ اور پیر کو مخالف سمتوں سے کاٹنا، (یعنی دایاں ہاتھ تو بایاں پیر، اور بایاں ہاتھ تو دایاں پیر) اور درختوں پر سولی دینا، تو انھوں نے برجستہ جواب دیا۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ
الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ
مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا
خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ
السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ
يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ
لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ

انھوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں
ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ
کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو
دیجیے، اور آپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ صرف
اس دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں ہم اپنے
پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے
گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے
ہم سے زبردستی جادو کرایا اور خدا بہتر اور باقی

---

[1] المومن ۳۹ — ۴۰

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی۔[1]

رہنے والا ہے، جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جیے گا اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کیے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لیے اونچے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہو۔

اعمال کی غایت آخرت میں سزا یا جزا

انبیاء کرام علیہم السلام سے بعید بلکہ ناممکن ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی امت اور ماننے والوں کو سیاست و حکومت یا دنیاوی منفعت کا لالچ دلائیں اور ان منافع کو ان کے ایمان کی قیمت اور اپنی دعوت قبول کرنے کا معاوضہ بتائیں، بلکہ اس کے خلاف حُبّ جاہ، شخصی یا قومی بلندی اور حوصلہ مندی کے تحت سربلندی اور لوگوں پر غلبہ و استیلا کی پرزور مخالفت کرتے ہیں، قرآن ببانگ دہل اعلان کرتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔[2]

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

---

[1] طٰہٰ ۷۴-۷۶ [2] القصص ۸۳

انبیاء اپنے متبعین میں اللہ کی رحمت کی امید اور طلب پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اعمال کا تعلق آخرت کی جزا و سزا سے جوڑتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ یہ ایمان، اطاعت اور استغفار، اللہ کی رحمت کو جوش میں لاتے ہیں، روزی بکھیرتے ہیں، اور بارش لاتے ہیں، لوگوں کو قحط اور عسرت سے نجات دلاتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام اللہ سے اپنی قوم کی شقاوت و بدبختی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا [1]	اور کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے بارش برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

اسی طرح ہود علیہ السلام اپنی قوم کو رب سے طلب مغفرت کی فہمائش کرتے ہیں اور اس کے منافع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ [2]	اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت بڑھائے گا، اور دیکھو گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔

یہ ایمان اور استغفار کی فطرت اور اس کی طبعی خاصیت ہے، جو اس سے کبھی الگ نہیں ہو سکتی، جیسے اور اشیاء کی فطرت نہیں بدل سکتی، دواؤں کی خاصیات ختم نہیں ہو سکتیں،

---

[1] نوح ۱۰۔۱۲ [2] ہود ۵۲

اور فطرت کے قوانین اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتے۔

انبیاء اور ان کے متبعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام

آخرت کی اہمیت، دنیا پر آخرت کی ترجیح اور دنیا اور اس کے مال و متاع کو بے قیمت سمجھنے کی دعوت محض زبانی دعوت نہ تھی، نہ صرف امتیوں کے لئے تھی بلکہ یہی ان کی زندگی کا بنیادی اصول اور ان کا طرز عمل تھا، وہ اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے تھے اور اپنے خاص لوگوں میں، اپنے خاندان میں، اور اپنی پوری زندگی میں، اسی راہ پر گامزن رہتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اپنی پوری جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ۔[1] — اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔

وہ دنیا کی طرف سے بے فکر اور آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے تھے، انھوں نے بلند مراتب اور اہم مناصب سے بے توجہی برتی، اور اپنی دعوت کی راہ میں ان کو قربان کر دیا، اور "قیمتی مواقع" ضائع کر دیئے، حالانکہ ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن کا مستقبل روشن اور درخشاں تھا، اور وہ اپنی ذہانت، ذکاوت، مہارت، خاندانی شرافت و نجابت اور حاکم خاندان یا شاہی دربار سے تعلق کی بنا پر اپنے ماحول کے ممتاز اور "درخشندہ" لوگوں میں سے تھے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا۔[2] — اے صالح تم تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے۔

اور انبیاء کے اہل بیت اور اہل خاندان نے بھی یہی روش اختیار کی جیسا کہ سرور انبیاء

---

[1] ہود ۸۸ [2] ایضاً ۶۲

صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ	اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی
تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ	زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار
أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝	ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح
وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور اس کے
وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ	پیغمبر اور عاقبت کے گھر یعنی بہشت کی طلبگار
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝[1]	ہو تو تم میں نیکوکاری کرنے والی ہیں ان کے لئے
	خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور آپ کی صحبت کی تاثیر تھی کہ تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے اللہ اور اس کے رسول ہی کو ترجیح دی اور دوسروں کے ساتھ خوشحالی اور عیش و آرام کی زندگی سے منہ موڑ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فقر اور قناعت کی زندگی کو پسند کیا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے اہل بیت کے طرز معاشرت سے کون ناواقف ہے، وہ سیرت و تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جو متعجب خیز بھی ہے اور سحر انگیز بھی، وہ قلوب کو عظمت و ہیبت سے معمور کردیتا ہے، منہاج نبوت پر چلنے والوں اور دین حق کے داعیوں کے لئے روشنی کا مینار قائم کرتا ہے اس زندگی کا ہمیشہ کا شعار تھا: "اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ"[2] (اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے) —— اور جس کی مقبول دعا تھی: "اللھم اجعل رزق آل محمد قوتاً"[3] (اے اللہ آل محمد کے رزق کو صرف گزربسر کے لائق رکھو)۔

---

[1] الاحزاب ۲۸-۲۹ [2] بخاری [3] ایضاً

نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق

انبیاء کی آخرت پر ایمان کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا، کوئی بھی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے، یہ طرز فکر بھی اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن انبیاء کے طریق کار ان کی سیرت اور ان کے خلفاء کے طریق کار سے بالکل مختلف ہے، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے (انبیاء کے) طریقہ میں یہ ایمان، وجدان، قلبی جذبہ و احساس اور ایسا عقیدہ ہے کہ جو انسان کے احساسات، خیالات، افکار اور اعمال پر پوری طرح قابو حاصل کر لیتا ہے، اور دوسرے طریقہ میں صرف اعتراف، اقرار اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، اول الذکر حضرات آخرت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں، تو تڑپ، وارفتگی اور لذت کے ساتھ اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تو جوش و قوت کے ساتھ اور دوسرے لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو اخلاقی یا معاشرتی ضرورت کی حد تک اور اصلاح یا اخلاقی تنظیم کے جذبہ سے، اور داخلی جذبہ وجدان اور شعور کے تقاضوں اور اجتماعی مصالح اور منطقی ضرورتوں کو تسلیم کرنے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایمان بالغیب کا مطالبہ

انبیاء کی دعوتوں اور ان کی کتابوں کی خصوصیات اور نبوت کی ممتاز اور واضح خطوط ہی میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ایمان بالغیب پر بہت زور دیتے ہیں، اور ہدایت اور دین سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیادی شرط، ہدایت یافتہ لوگوں کا شعار اور ارباب صلاح و تقویٰ کی اہم پہچان

قرار دیتے ہیں اور بہت زور اور قوت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

الٓمٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [1]

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے، جو غیب پر ایمان لاتے اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اسی میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد) تم پر نازل ہوئی اور اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اسلام (جو تمام انبیاء کا دین ہے) پر ایمان لاتے ہیں، ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اللہ کی بلند و برتر صفات، اس کی لامحدود قدرت اور اس کے محیر العقول افعال کی دل سے تصدیق کریں، جو بسا اوقات ناقص تجربات، محدود علم اور کمزور عقل کو چیلنج کرتے ہیں، اور رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں میں ذکر کی ہوئی تمام باتوں پر صدق دل سے ایمان لائیں اور ان خبروں پر جن کا نہ کبھی انسان نے تجربہ کیا نہ حواس ظاہر نے ان کی تصدیق کی، نہ عقل نے ان کو قبول کیا، یقین کریں اور صرف رسولوں کی خبروں اور ان کی بیان کی ہوئی اور اللہ کی طرف منسوب کی ہوئی باتوں میں ان کی سچائی کے اعتماد پر اور اس اعتماد پر کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس کو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ بہت بڑا خالق ہے

---

[1] البقرہ ۱-۵

بے مثل اشیاء کا بنانے والا اور اپنے ارادوں میں آزاد و خود مختار ہے، اسے اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب و ذرائع کی بھی ضرورت نہیں اور نہ وہ خود اپنے متعین کئے ہوئے طریقوں کا پابند ہے، بلکہ وہ ہمیشہ سے ان کا خالق و مالک ہے، ان میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، ان کا حاکم ہے، ان کی ڈور اللہ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی ہے، نہ وہ اپنے وجود و ارادہ میں آزاد و خود مختار ہوتے ہیں، اس طرح اس کے احکام مقدمات اور وسائل و ذرائع پر موقوف بھی نہیں ہیں۔

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ	اس کا حکم یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہے تو
لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝[1]	اس کو "ہو" کہے اور وہ اسی وقت ہو جائے۔

قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے ایسے عجیب صنائع، معجزات اور خارق عادات افعال سے بھری ہوئی ہیں کہ ایمان بالغیب، اللہ کی بے مثل قدرت اور مشیت قاہرہ پر یقین اور ان کتابوں کی صحت اور ان رسولوں کی سچائی (جن پر یہ کتابیں نازل کی گئیں اور انھوں نے لوگوں کو ان سے باخبر کیا) پر کامل اعتماد ہی ان کا متحمل ہوسکتا ہے، اور ان کی تصدیق و تائید کرسکتا ہے، لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد محسوسات، مانوس حوادث، ظاہری عقل کی منطق اور کتابی علوم پر استوار ہوتی ہے، وہ یا تو ان کو قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے بالکل انکار کردے گا یا ان پر یقین کرنے میں تذبذب کا شکار ہوگا، اور ٹھوکر کھائے گا، یا ان کی ایسی تاویل کرے گا جس سے وہ اس کی معلومات و محسوسات کے مطابق ہو جائیں، اسی لئے اللہ نے فرمایا۔

بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ	بلکہ تھک کر گر گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں بلکہ
هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ مِنْهَا عَمُونَ ۝[2]	ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں،

قرآن نے دونوں فریقوں کا فرق واضح کر دیا ہے، ایک فریق وہ ہے جس کو اللہ نے

---

[1] یٰسین ۸۲ [2] النمل ۶۶

ایمان کامل سے نوازا ہے، اور اسلام کے لئے ان کا سینہ کھول دیا ہے، دوسرا فریق وہ ہے جن کی عقلوں اور دلوں کا دروازہ اللہ کی جانب سے آئی ہوئی اکثر چیزوں کے لیے بند کر دیا گیا ہے چنانچہ اس فرق کی بہترین تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ	تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ	سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے
يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا	گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا
يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ	وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے اس طرح خدا ان لوگوں پر
الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ[1]	جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

قرآن نے اللہ کی ایسی صفات اور ایسے افعال ذکر کئے ہیں جن کا اقرار اور ان کی تصدیق ایمان بالغیب کے بغیر ممکن ہی نہیں، اسی طرح وہ ایسے حوادث، واقعات، خدا کے انعامات اور اس کی سزاؤں، رسول کے حالات، ان کے ہاتھوں صادر ہونے والے معجزات اور ان کی تائید میں ظاہر ہونے والی نشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جن پر یقین ایمان بالغیب کے علاوہ کسی کے بس کا ہے، نہ کوئی دوسری تعلیم یا طاقت ان کی متحمل ہو سکتی ہے، اور نہ انتہائی مضحکہ خیز تکلفات عربی زبان کے قوانین کی خلاف ورزی، زبان و اہل زبان پر ظلم، اللہ تعالیٰ پر زیادتی اور انتہائی بے شرمی کے بغیر ان کی عقلی توجیہ ہی ممکن ہے، نہ طبعی قوانین سے مطابقت کی کوئی صورت، جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کا پھٹ جانا، پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، بنی اسرائیل کی جماعت پر پہاڑ کا سایہ کی طرح بلند ہونا اور ان ہی کی ایک جماعت کا موت کے بعد زندہ ہونا، انہی کے کچھ لوگوں کے چہروں کا مسخ ہو کر

---

[1] الانعام — ۱۲۶

ذلیل بندروں کی طرح ہوجانا ذبح کی ہوئی گائے کے ایک ٹکڑے کے مس کرنے سے اس مقتول کا زندہ ہونا جس کا قاتل معلوم نہیں تھا، ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ میں مناسب ٹھنڈک آجانا سلیمان علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرندی گفتگو، خود ان کا چیونٹیوں کی گفتگو کو سمجھنا ہواؤں کے دوش پر صبح و شام میں ایک ماہ کی مسافت طے کرنا، پلک جھپکتے میں ملکۂ سبا کے تخت کا منتقل ہونا مچھلی والے نبی کا قصہ ان کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت نکل آنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پتھر کے ریزوں سے اصحاب الفیل کی ہلاکت، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، پھر وہاں سے آسمان کا سفر اور اس طرح بے شمار واقعات جن سے قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں ان سب کو ایمان بالغیب ہی قبول کرسکتا ہے، ایسا ایمان جس نے ایسے اللہ پر یقین کرلیا ہو جس کی قدرت تمام چیزوں پر محیط اور حاوی ہے۔

ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر

کیونکہ جس ایمان کی بنیادیں صرف محسوسات اور تجربات پر استوار ہوئی ہوں، جو مشہور اور مانوس چیزوں کا ہی ساتھ دے سکتا ہو، جو تکوینی طریقوں، طبعی اصولوں اور محسوسات کے دامن میں پناہ لیتا ہو، وہ ایمان محبوس اور مقید ایمان ہے، محدود اور مشروط ایمان ہے، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہوسکتا، نہ ادیان کا ساتھ دے سکتا ہے، نہ انبیائے کرام کی دعوت، ان کی مطلوبہ تصدیق مطلق، دائمی اعتماد، فوری اطاعت و اتباع اور جہاد و قربانی کی راہ میں ثابت سے کوئی مناسبت رکھتا ہے، درحقیقت اس کا ایمان نام رکھنا ہی درست نہیں، وہ تو صرف علم و تحقیق ہے، منطقی قوانین کے سامنے سپر اندازی ہے، حواس و تجربات کی بے تو اطاعت ہے

اس میں کوئی فضیلت و امتیاز نہیں، اور نہ وہ دین کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ہر عقلمند انسان اپنی زندگی میں اپنے تجربات، اپنی معلومات کے نتائج اپنی محسوسات اور اپنی عقل کے اشاروں پر اعتماد و یقین رکھتا ہے۔

اور اس "طبیعاتی" یا "منطقی" ایمان والے شخص کو آسمانی کتابوں اور الٰہی مذاہب کے سامنے قدم قدم پہ دقتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ دین کی روح اور اس کے حقائق کے بارے میں مستقل کشمکش میں گرفتار رہتا ہے جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اور "پائے چوبیں" تیز چلنے، آزادی کے ساتھ قدم اٹھانے اور اِدھر اُدھر مڑنے میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا، یہی وجہ ہے کہ خالص استدلالی ذہن کا انسان رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں کے بیان کئے ہوئے حقائق، اور اس علم جدید، اپنی یقین کی ہوئی محسوسات، مادیات اور محدود معلومات پر مبنی اصولوں کے درمیان حائل وسیع خلیج کی وجہ سے یا تو تحریفات اور دور از کار تاویلات کا سہارا لیتا ہے، یا الحاد پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ [1]	حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت اُن پر کھلی ہی نہیں۔

لیکن ایمان بالغیب سے بہرہ ور اور اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی آزاد و خود مختار مشیت پر یقین رکھنے والا، رسولوں کی لائی ہوئی، ان کی بیان کی ہوئی خبروں اور اللہ کے متعلق

---

[1] یونس ۳۹

ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین اور ان کی تصدیق کرنے والا کشمکش اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وہ آرام وسکون محسوس کرتا ہے، مذاہب کی روح اور ان کی خبروں سے ایک طرح کی انسیت اور تعلق محسوس کرتا ہے، اس نے ایک بار محنت کی اور غور وفکر کیا، پھر اس کو اطمینان وسکون حاصل ہوگیا، غور وفکر کیا، اللہ پر ایمان کے بارے میں، رسول کی سچائی کے بارے میں اور رسول کی بتائی ہوئی باتوں میں اس کی عصمت کے بارے میں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ[1]	نہیں بولتا ہے اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے بھیجی ہوئی۔

پھر ایمان لے آیا اور مطمئن ہوگیا، اب وہ نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ ان تمام چیزوں پر یقین کر لیتا ہے جنھیں اللہ کے رسولؐ نے بیان کی ہوں اور صحیح طریقہ سے نقل کی گئی ہوں، جیسے پہلے ہی سے وہ ان سے آشنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں نفسیات کا فرق بھی بیان کر دیا ہے، ایک اس شخص کی نفسیات جس نے اپنی عقل کو صحیح نقل شدہ اور رسول سے ثابت شدہ امور کے سامنے سرنگوں کر دیا، دوسرے اس شخص کی نفسیات جو اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسولؐ کی لائی ہوئی باتوں کو اپنی عاجز عقل اور محدود علم کے تابع بنائے اور ان پر اپنی دور از کار تاویلات کو مسلط کر دے، چنانچہ کہتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ	وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے،

---

[1] النجم ۴،۳

زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ [1]

وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں اے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اسی طرح اس شخص کی نفسیاتی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جو اپنی مصالح خواہشات اور ظاہر بین اور سطحی عقل کے مناسب مشہور و مانوس چیزوں ہی میں زندگی گزار سکتا ہے انھیں کو قبول کرتا ہے اور انھیں پر ایمان لاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِۨطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ اِۨنْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ [2]

اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچتی ہے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس عبادت پر اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پھر جاتا ہے الٹا گنوا دی اس نے دنیا اور آخرت یہی ہے صریح نقصان۔

---

[1] آل عمران ۷، ۸ [2] حج ۔ ۱۱

افسوس کہ ہمارے اسلامی ادب اور ہمارے مذہبی تعلیم اور دعوت دین کے انداز نے یقین اور جوش کے ساتھ ایمان بالغیب کی طرف دعوت دینے میں بڑی کوتاہی کی ہے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ادبی وفکری غذا مہیا کرنے اور اس پر زور دینے میں تساہلی سے کام لیا ہے اور بعض ہمارے معاصر انشا پرداز (محاسن اسلام کو پیش کرنے اور جدید ذہن سے ان کو قریب کرنے میں ان کے فضل وکمال کے اعتراف کے ساتھ) دین کو جدید عقلی انداز میں ڈھالنے کی طرف متوجہ ہیں، اور دین کی ایسی تشریح کر رہے ہیں، جو جدید علم اور جدید عقل سے میل کھاتی ہو، لیکن اس نے ایک حد تک غیر ارادی طور سے ایمان بالغیب کی روح کو نقصان پہنچایا ہے، اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوان اسی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، وہ انھیں چیزوں کی طرف لپکتے ہیں، جو مانوس ہوں، مقررہ اصولوں کے مطابق ہوں اور طبیعاتی زندگی میں بار بار سامنے آرہی ہوں، لیکن جو واقعات ان اصولوں سے الگ یا ان کے خلاف واقع ہونے ہوں اور جن کی تصدیق میں گہرے اور ہمہ گیر یقین وایمان کی اور مخبر کی سچائی پر اعتماد کی ضرورت ہو، ان کو بہت تذبذب کے بعد اور بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں، نہ ان کی طرف لپکتے ہیں نہ انھیں خوش آمدید کہتے ہیں، اور ان کو ان حادثات کی تصدیق میں اپنی بار بار سنی ہوئی اور ایمان لائی ہوئی اس بات کی مخالفت نظر آتی ہے کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی یہ تعریف بالکل صحیح ہے، اور یہ صحیح ہے کہ معقولات و منقولات میں کوئی تضاد نہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں، لیکن عقل انسانی کے درجہ اور معیار مختلف ہوتے ہیں، ہمارے زمانہ کے بڑے شہروں اور حکومتوں کے مراکز میں پائی جانے والی عجیب وغریب مصنوعات اور تمدن کی سہولتیں ایک دہقانی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی ہیں، اسی طرح ایک عام انسان کی عقل عصر حاضر میں انسانوں کی ایجادات و اختراعات

مثلاً ایٹمی طاقت کی تسخیر اور مصنوعی چاند وغیرہ کو نہیں قبول کر سکتی۔ پھر جتنی بھی بلند پرواز اور عقل رسا کا تصور کیا جائے، بہر حال اس کے بھی حدود ہوں گے اور اس کا دائرہ انھیں حدود تک محدود رہے گا، اور اسی کے مطابق اس کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی، اور وہ انھیں ذمہ داریوں کی ادائیگی کی مکلف ہوگا، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا۔

اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت بلکہ فلسفۂ تاریخ اور علوم عمرانیات کے امام علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون کی بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ کہتے ہیں۔

"تم فکر کی اس خام خیالی پر ہرگز اعتماد نہ کرو کہ وہ کائنات اور اس کے اسباب عوامل کا احاطہ کر سکتی ہے، اور اس کے وجود کی ساری تفصیلات سے واقف ہو سکتی ہے اس معاملہ میں فکر کی خود رائی کو حماقت پر مبنی سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ ہر صاحب ادراک انسان ابتدا میں یہی سمجھتا ہے کہ سارے موجودات اس کے علم و ادراک کے احاطہ میں آگئے ہیں، کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہی، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، تم بہرے کو دیکھتے ہو کہ اس کے نزدیک موجودات صرف چار محسوسات میں منحصر ہیں، مسموعات کی قسم سرے سے اس کے دائرہ سے خارج ہے، اسی طرح اندھا، اس کی شمار سے مرئیات کی قسم بالکل خارج ہو جاتی ہے اور غیر محسوس اشیاء میں اگر ان کے آباء و اجداد اور ان کے زمانہ کے بزرگوں اور دوسرے تمام لوگوں کا تقلیدی علم نہ ہو تو ان کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیں، لیکن وہ ان غیر محسوس اصناف کی اثبات میں عام لوگوں کی اتباع کرتے ہیں، اور ان کو اپنی فطرت اور طبیعت اور ادراکیہ کی مدد سے قبول نہیں کرتے، اگر بے زبان بولنے لگیں اور ان سے پوچھا جائے، تو ہم ان کو

معقولات کا منکر ہی پائیں گے، اور ان کے نزدیک معقولات کا پورا خزانہ ساقط الاعتبار ہوگا، اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو بہت ممکن ہے ایسے مدرکات بھی عالم میں موجود ہوں جو ہمارے ادراک سے باہر ہوں، کیونکہ ہمارے ادراکات مخلوق اور حادث ہیں، اور اللہ کی مخلوقات انسان کی معلومات سے کہیں زیادہ ہیں، اور موجودات کا حصر ممکن ہی نہیں ان کا دائرہ بہت وسیع ہے اللہ ہی ان کا احاطہ کرسکتا ہے، لہذا موجودات کے احاطہ کے بارے میں اپنی ادراک اور اپنی مدرکات کی تردید کردو اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے عقیدہ اور عمل پر قائم رہو، کیونکہ وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں، اور تمہارے لئے نفع بخش چیزوں کو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور ان کے ادراکات تمہارے ادراکات سے بلند ہیں، اور ان کی عقل کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع ہے۔

اور یہ عقل اور اس کے ادراکات کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ عقل ایک صحیح ترازو کی طرح ہے، اور اس کے احکام قطعی اور یقینی ہیں، ان میں غلطی یا جھوٹ کا شائبہ نہیں، لیکن تم کو یہ امید نہیں کرنا چاہئے کہ اسی ترازو سے امور توحید و آخرت اور صفات الٰہیہ کی حقیقت بھی تول سکو گے، کیونکہ یہ امید محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص سونا تولنے والا کانٹا دیکھے تو یہ امید وابستہ کرے کہ اسی سے پہاڑ بھی تول سکتا ہے لیکن اس سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوئی کہ کانٹا اپنی تول میں سچا نہیں، اسی طرح عقل کے بھی حدود ہیں، جہاں اس کو ٹھہرنا پڑتا ہے ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی

وہ اللہ کی ذات وصفات کو بھی اپنی ادراکات کے دائرہ میں داخل کرلے
بلکہ وہ اس کے پیدا کئے ہوئے بے شمار ذرات میں سے ایک حقیر ذرہ ہے۔[1]

تکلفات سے پرہیز اور فطرتِ سلیمہ پر اعتماد

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات اور امتیازات اور ان کی خاص علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خود ساختہ انداز واطوار اور تکلف وتصنع سے بالعموم اپنی پوری زندگی میں اور بالخصوص اپنی دعوت، گفتگو اور دلائل میں بہت دور رہتے ہیں اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کا قول:۔

مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝[2] ——— میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

تمام انبیائے سابقین کی حالت کی تصویر کشی کر رہا ہے، وہ سب کے سب ہمیشہ فطرتِ سلیم اور عقلِ عام کو فطری، سادہ اور پیچیدگیوں سے پاک انداز سے مخاطب کرتے ہیں، جس کا سمجھنا نہ تو نادر ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، نہ امتیازی علم پر، نہ مختلف علوم وفنون کے ہمہ گیر اور گہرے مطالعہ پر، نہ علمی اصطلاحات کی واقفیت پر، نہ منطق وفلسفہ، ریاضی، فلکیات اور سائنسی علوم کی معرفت پر، بلکہ جس طرح خواص اس سے دلچسپی لیتے ہیں، اسی طرح عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں، اور جس طرح علماء اس سے استفادہ کرتے ہیں، اسی طرح کم علم بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہر ایک اپنے علم وفہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون۔ علم کلام ۳۲۲۔ [2] ص ۸۶-۸۷

انبیاء کی تعلیمات جس طرح سادہ اور بے تکلف زندگی گزارنے والی قوموں کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں، اسی طرح بلند تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کی حالت کے بھی موافق ہوتی ہیں، وہ نہ دقیق اور پیچیدہ سوالوں کو اٹھاتے ہیں، نہ انھیں ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا کلام میٹھے اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتا ہے، ہر شخص اس کو استعمال کرتا ہے، اور اس کا ضرورت مند بھی رہتا ہے، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے:۔

"انبیائے کرام کی سیرت میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی عقل کے اسی معیار کے مطابق جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اور انھیں علوم کے مطابق جو انھیں اصل خلقت کے اعتبار سے حاصل ہیں گفتگو کرتے ہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ انسان جہاں بھی ہوگا اصل خلقت میں اس کے ادراک کی ایک حد ہوگی جو اور تمام حیوانات سے آگے ہوگی، سوائے اس کے کہ مادہ بالکل ناقص ہو، اور کچھ علوم ایسے بھی ہیں، جن تک خرق عادت کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا، جیسے انبیاء و اولیاء کے نفوس قدسیہ یا سخت محنت و ریاضت کے ذریعہ اس تک رسائی ممکن ہے، جو اس کے نفس کو اپنی دسترس سے باہر کے علوم حاصل کرنے کے لائق بنا دے یا طویل مدت تک حکمت اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق و ممارست کے ذریعہ ان علوم کی تحصیل ممکن ہے۔

اور انبیائے کرام لوگوں کو اسی سادہ ادراک کے مطابق مخاطب کرتے ہیں، جو ان کو اصل خلقت کے اعتبار سے ودیعت کی گئی ہے اور وہ نادر اور قلیل الوجود چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو

اس بات کا مکلف نہیں بنانتے کہ اپنے رب کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ پہچانیں، یا دلائل و قیاسات کے ذریعہ اور نہ اس کا مکلف کرتے ہیں کہ اس کو تمام جہات سے منزہ سمجھیں، کیونکہ ریاضیات میں مشغول رہنے والے کے لئے تقریباً ناممکن ہے، جو طویل مدت تک معقولیوں کے ساتھ نہ رہا ہو، اور انھوں نے اسے استنباط و استدلال کے طریقے اور استحسان کے وجوہ، دقیق اور ناقابل فہم مقدمات کے ذریعہ اشباہ و نظائر کا فرق اچھی طرح سمجھا نہ دیا ہو، اور وہ تمام چیزیں ذہن نشین نہ کرا دی ہوں جن پر اصحاب الرائے، اصحاب الحدیث پر فخر کیا کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول نہیں ہوتے، جو تہذیب نفس، یا سیاست امت سے متعلق نہ ہوں جیسے فضا کے حادثات کے اسباب کا بیان مثلاً بارش گرہن، ہالہ وغیرہ یا عجیب و غریب حیوانات اور نباتات یا چاند سورج کی رفتار، اسی طرح روزانہ کے حادثات، انبیاء، بادشاہوں اور شہروں کے قصے وغیرہ کے علاوہ الا ماشاء اللہ چند معمولی باتوں کے جن سے ان کے کان پہلے ہی سے آشنا رہے ہوں، اور یہ چیزیں بھی اللہ کی نعمتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ تذکیر کے ضمن میں بر سبیل تذکرہ اجمالی طریقہ سے بیان کی جاتی ہیں اور ان جیسی چیزوں میں استعارات اور مجازات کا استعمال بھی جائز ہوتا ہے۔

اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ دریافت کی تو اللہ نے اس سے اعراض کیا، اور مہینوں کے فوائد بیان فرمائے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ[1]	لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں چاند کے بارے میں آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں۔

تم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان فنون اور ان کے علاوہ اسباب وعلل سے الفت وتعلق کی وجہ سے ان کا ذوق فاسد ہو گیا ہے، اور وہ لوگ رسولوں کے کلام کو اس کے موقع ومحل کے خلاف استعمال کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب[2]"۔

اور اسی کتاب میں دین کی آسانی اور سہولت کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

"اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شارع علیہ السلام نے لوگوں کو حکمت و کلام اور اصول کے دقائق معلوم کرنے سے قبل، اصل خلقت کے اعتبار سے عطا کئے ہوئے معیار عقل کے مطابق مخاطب کیا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے لئے جہت بھی ثابت کی، اور فرمایا "اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حبشیہ سے کہا، اللہ کہاں ہے؟ اور اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، تو آپؐ نے فرمایا یہ مومنہ ہے، اسی طرح استقبال قبلہ اور نماز، روزہ اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لئے ہئیت اور ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے پر مجبور نہیں کیا، اور آپ نے فرمایا "القبلۃ ما بین المشرق و المغرب" اور "الحج یوم تحجون والفطر یوم تفطرون"۔ واللہ اعلم بالصواب[3]"۔

اور شاہ صاحب سے پہلے ہی حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) علم کلام پر

---

[1] البقرہ ۱۸۹ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۶/۱ مطبوعہ مصر [3] ایضاً ص ۱۲۲

اسلوب قرآن کی فوقیت اور دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قرآن کے دلائل غذا کی طرح ہیں، ان سے ہر انسان فائدہ اٹھاتا ہے، اور متکلمین کے دلائل دوا کی طرح، ان سے چند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اکثر لوگ نقصان، بلکہ قرآن کے دلائل پانی کی طرح ہیں، جس سے شیر خوار بچے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، اور قوی انسان بھی، اور دوسری تمام دلیلیں غذا کی طرح ہیں جن سے قوی کبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، کبھی بیمار ہو جاتے ہیں، اور بچوں کو کبھی فائدہ نہیں پہنچتا۔"[1]

امام فخرالدین رازی (متوفی سنہ ۶۰۶ھ) کہتے ہیں (جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اپنی کتابوں میں بار بار نقل کرتے ہیں) "میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ اصولوں میں بہت غور کیا، لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بیمار کو شفا دیتے ہیں، یا کسی پیاسے کی پیاس بجھاتے ہیں، اور (انسانی ذہن سے) قریب ترین انداز میں قرآن کے انداز کو پایا، اور جو کوئی بھی میری طرح تجربہ کرے گا، اس کو یہی بات نظر آئے گی۔"

نبوت کی طبعی خصوصیات، اس کی علامتوں، انبیائے کرام کے اندر اور دعوت و تبلیغ میں یا نجی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں، ان کی سیرتوں سے اس زمانہ کے لوگوں، عقلوں اور طبائع کی دوری اور ناواقفیت کی وجہ سے میں نے اس مضمون کو بہت پھیلا کے بیان کیا ہے، اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصنوعی انداز کلام، طرز استدلال اور دعوت و تنظیم کے جدید اصولوں نے بڑی زیادتی کی ہے، یہاں تک کہ لوگ انبیاء کے طریقوں اور ان کی سیرتوں سے غافل ہو گئے، بلکہ ان کے استخفاف تک پہنچ گئے، اور فہم قرآن ان کے لئے

---

[1] الجام العوام عن علم الکلام صہ ۲۰

بہت مشکل اور پیچیدہ ہوگیا، اب حال یہ ہے کہ وہ اس کے حکیمانہ اسلوب سے لطف اندوز ہونے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے، اور تاویلات وتکلفات کا سہارا لینے لگے ہیں، حالانکہ آج تک دعوت وتبلیغ میں انبیاء کی سیرت ہی مثالی سیرت ہے، اور قرآن کا اسلوب ہی فطری بلیغ اور حکیمانہ اسلوب ہے، جس پر ہر زمانہ کی عقلیں مطمئن ہوتی ہیں، دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ہر گروہ اور ہر طبقہ اس میں کافی وضاحت اور شافی علاج پاتا ہے "تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ" صاحب حکمت اور قابل تعریف کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

تیسرا خطبہ

ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد

خودساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق

نوع انسانی اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ خودساختہ رہنماؤں اور برسراقتدار شخصیتوں کا کھیل اور مذاق، اور قانون سازوں اور حکمراں کے تجربات کا نشانہ بنتی رہی ہے ایسے لوگوں نے اپنے ابنائے جنس اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک بچہ کاغذ کے کسی پرزے کے ساتھ کرتا ہے، بچہ کبھی کاغذ کو لپیٹتا، کبھی پھیلاتا، کبھی کھولتا کبھی بند کرتا اور جب جی چاہے پھاڑتا اور جلاڈالتا ہے۔

ان کے لئے انسانی زندگی، اس کی ترقی کے امکانات اور اس کے وسیع مضمرات کی کوئی قیمت نہ تھی، اللہ تعالے نے انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی جو صلاحیت ودلیعت فرمائی ہے اور قائدین پر اعتماد اور جاں نثاری کی جو صفت رکھی ہے اس کے سلسلے میں انھوں نے نہ خداترسی سے کام لیا، نہ حق وانصاف کے تقاضے پورے کئے، نہ کسی تعلق اور ذمہ داری کا لحاظ کیا اور اسے انھوں نے اپنی خواہش ونشا کا آلہ کار اور قیادت وسیادت

اور اغراض کا ذریعہ بنا لیا۔ ان قائدین کی کوتاہ نظری، خطاکاری و گمراہی، اور غلط فہمی و غلط بیانی
نفس پرستی و بوالہوسی، انفرادی و اجتماعی انانیت، قومی و وطنی عصبیت نے بدقسمت انسان
کے سر پر طویل بدبختی اور مصیبت لاد دی ہے، انھوں نے اپنے اخلاص، بصیرت، خلائق دوستی
اور احترام انسانیت کے بارے میں مستقل شبہات پیدا کر دیئے اور اس بات کی اب کوئی
ضمانت نہیں رہی کہ انسانیت ان کے زیر سایہ پھل پھول سکتی ہے ——— تاریخ انسانی ان
المیوں اور رسوائیوں، اور ایک ساتھ ہنسانے اور رُلانے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے
اور مشرق و مغرب میں آج بھی بہت سی قومیں انھیں طالع آزما ستم ظریف قائدین کے رحم و کرم
پر زندگی گزار رہی ہیں جو اس سے کھیلتے، اسے گیند کی طرح لڑھکاتے اور اس پر ہر روز نئے
تجربے کرتے رہتے ہیں، اور پھر خود ہی ان تجربات کی غلطی و ناکامی کا اعتراف بھی کرتے ہیں، اور
کبھی ان سے اقتدار حاصل کرنے والا اور ان کا جانشین انھیں رسوا کرتا اور ان کے کرتوتوں
سے پردہ اٹھاتا ہے، اور کبھی انھیں تاریخ محفوظ کر دیتی اور آنے والی نسلیں ان سے واقف
ہو جاتی ہیں۔

غلطیوں سے پاک انبیاءؑ کی ضرورت

ان ناکام تجربوں اور غلط نتائج کی زد سے عقائد و ایمانیات بھی محفوظ نہیں رہے
جن پر حسن انجام، دنیا کی سعادت اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے، اور جو صحیح اخلاق،
صالح تہذیب، بندے کو خدا سے ملانے والی عبادات، اور شریعتوں کی تشکیل و تکمیل
کرتے ہیں، اور جن میں کسی غلطی کی تلافی بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتی ہے، اس لئے ایسے قائدین
کی ضرورت پیدا ہوئی جو امانت دار، گمراہیوں اور غلطیوں سے پاک، ہر لالچ اور نفع اندوزی

اور مادی معاوضہ کی خواہش سے بری ہوں، جو خواہشات سے مغلوب اور جذبات سے متاثر نہ ہوتے ہوں، جو اپنی رائے اور ناقص معلومات، محدود تجربوں اور ذاتی مصلحتوں کے ماتحت کوئی فیصلہ نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کبھی کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کے بعد وہ ان غلطیوں پر قائم اور مصر نہ رہتے ہوں۔

امانت داری اور اخلاص

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ہر مبعوث ہونے والا نبی اپنی امت کو اپنی امانت داری اور اخلاص و بے غرضی کا پورا یقین دلاتا ہے، سورہ شعراء میں ایک ایک نبی کی زبان سے جو وضاحت فرمائی گئی ہے، اور جو یقین دلایا گیا ہے اسے پڑھیے۔

۱۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ۝	قوم نوحؑ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے
إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝	ان کے بھائی نوحؑ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں،
إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ	میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے
وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ	ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔[1]	نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین ہی پر ہے۔
۲۔ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ	عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے
أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ	بھائی ہودؑ نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں میں تو تمہارا
أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا	امانت دار پیغمبر ہوں، کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے
أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ	ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور

---

[1] الشعراء ۱۰۵ تا ۱۰۹

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝[1]

مری بات مانو۔ اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

۳۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝[2]

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صالحؑ نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

۴۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝[3]

قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کہ تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اپنے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پالن ہار ہی کے ذمہ ہے۔

۵۔ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝

ایکہ والوں نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے شعیبؑ نے کہا تم ڈرتے کیوں نہیں

---

[1] الشعراء ۱۲۳ تا ۱۲۷ [2] ایضاً ۱۴۱ تا ۱۴۵ [3] ایضاً ۱۶۰ تا ۱۶۴

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰہَ	میں تمہارے لئے ایک امانت شعار رسول ہوں
وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ	تو اللہ سے ڈرو اور میری باتیں مانو اور میں تم سے
اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝[۱]	اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر تو
	جہانوں کے پالنے والے پر ہے۔

یہ مقصد کی وحدت جو مختلف امتوں اور مختلف زمانوں کے انبیاء کے بارے میں مشترک ہے اپنے اندر بڑے عمیق معنی رکھتی ہے، لفظ "اَمَانَۃ" ایسا جامع لفظ ہے جو صداقت وحی خداوندی کو صحت کے ساتھ قبول کرنے، صحت کے ساتھ امت تک پہنچانے کے معانی پر مشتمل اور رسالت و نبوت کے نظام کا رکن اساسی ہے، عربی زبان میں اس مقصد کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور جامع و بلیغ لفظ نہیں۔

یہ حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی اس صفت کے ساتھ شہرت پائی، اور مکہ کے امیوں کے دل میں خود بخود یہ بات آگئی کہ وہ آنحضرتؐ کو "صادق و امین" کے معزز لقب سے پکاریں۔

اسی طرح اخلاص، بے غرضی، ہر قسم کی لالچ اور ہر قسم کے شخصی یا اولاد و اقارب کو حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز انبیاء کا شعار ہے۔ اور یہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کا تقاضا ہے کہ ایسے بے غرض و خیر خواہ داعیوں سے محبت کرے اسی لئے حضرت صالحؑ نے افسوس و تعجب سے کہا تھا۔

یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَۃَ	اے قوم میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام
رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ	پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن

---

[۱] الشعراء ۱۷۶ تا ۱۸۰

النّٰصِحِيْنَ۔[۱] اس کا کیا علاج کہ تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے

اور اس فرستادہ نے کہا جو شہر کے کنارے سے آیا تھا۔

يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔[۲]

اے قوم رسولوں کی اتباع کرو، ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی معنی کی وضاحت حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے سامنے کی تھی:۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ، قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔[۳]

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں (اس لئے میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں خدا کے بارے میں حق ہی کہوں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اس لئے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیجدو

امت کے لئے تحفظ اور ضمانت

انبیاءؑ کی عصمت، امانت اور بے لوثی ان کی امتوں کے مذاہب و عقائد کی حفاظت و صیانت کی ضمانت اور غیر قوموں کی لائی ہوئی آزمائشوں کے مقابلہ میں ایک پناہ گاہ ثابت ہوئی جس کے سبب وہ شبہات میں مبتلا ہونے اور انبیاءؑ کے کارناموں اور ان کے نتائج کے بارے میں شک و حیرت سے بچ گئے۔

---

[۱] الاعراف ۷۹ [۲] یٰسین ۲۱، ۲۲ [۳] الاعراف ۱۰۴، ۱۰۵

عصمت انبیاءؑ کی حقیقت

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں ہادیانِ طریقت و بانیانِ ملت یعنی انبیاءؑ کے ضروری صفات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"پھر اس دنیا میں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ برسرِ عام یہ ثابت کرے کہ وہ نبوت کا رمز آشنا ہے اور وہ جو تعلیم دے رہا ہے اس میں غلطی اور گمراہی سے پاک ہے، اور اس سے بھی بری ہے کہ اصلاحی کام کا کچھ حصہ لے لے اور کچھ ضروری حصّہ ترک کر دے جس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ نبی اپنے سے سابق نبی کا راوی ہو جس کے کمال و عصمت پر وہ متفق ہوں اور یہ روایت اس قوم میں محفوظ ہو، تو اس طرح سے وہ نبی اپنی قوم کے معتقدات پر مواخذہ کر سکتا ان پر حجت قائم اور انھیں لاجواب کر سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ان کے متفق علیہ نبی ہی کی طرف سے کہہ رہا ہے۔

بہرحال لوگوں کے لئے ایک معصوم اور متفق علیہ شخص کی ضرورت ہے، جو ان میں موجود ہو یا جس کی روایت محفوظ ہو اور ایمان واتقیاد اس کی تفصیلات اور منافع اور اسی طرح گناہوں اور ان کے نقصانات کا علم، دلیل و برہان اور اس دنیاوی عقل کے ذریعہ (جس سے روزمرہ کی زندگی کا کام چلایا جاتا ہے) اور حواس سے نہیں ہوتا بلکہ ان امور کی حقیقت، وجدان ہی پر کھلتی ہے، جیسے بھوک، پیاس، گرم یا ٹھنڈی دواؤں کا ادراک

وجدان ہی سے ہوتا ہے ویسے ہی روح کی موافق اور ناموافق چیز کا علم ذوق سلیم ہی سے ہوتا ہے۔

اور انبیاءؑ کا خطا سے معصوم ہونا اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے ضروری علم و یقین کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے سبب نبی سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے جو چیز پا رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے، وہ حقیقت کے عین مطابق ہے، اور اسے ایسا یقین ہوتا ہے گویا کوئی حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اور دیکھتے وقت اپنی آنکھوں کو غلطی میں نہیں سمجھ رہا ہے، یا نبی کا علم کسی ماہر زبان کے کسی لفظ کے متعین معنی کو سمجھنے سے مشابہ ہوتا ہے مثلاً ایک عرب کو کبھی یہ شک نہیں ہوگا کہ لفظ "ماء" پانی کے لئے بنا ہے، اور لفظ "ارض" زمین کے لئے حالانکہ اس سلسلے میں نہ اس کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے، نہ لفظ و معنی میں کوئی عقلی لزوم ہی ہوتا ہے، اس کے باوجود اسے یہ علم ضروری حاصل ہوتا ہے، اور اکثر حقائق کے بارے میں نبی کو ایک فطری ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ اُسے ہمیشہ صحیح طریقے سے علم وجدانی حاصل ہوتا ہے، اور اسے اپنے وجدانی تجربے کی صداقت کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اور لوگوں کو اس کی عصمت کا یقین نبی کی عقلی اور خطابی دلیلوں سے ہوتا ہے کہ اس کی دعوت صحیح اور اس کی سیرت ایسی صالح ہے، جہاں کذب کا گذر نہیں اور کبھی اس کے خدا کے قریب ہونے کا بھی مشاہدہ انھیں معجزات اور اس کی دعاؤں کی مقبولیت سے ہو جاتا ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ انھیں نبی کی عظیم دعوت کی عظمت کا احساس ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ وہ ملائکہ سے

رابطہ رکھنے والے نفوس قدسیہ میں سے ہے، اور یہ کہ اس جیسا شخص اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں گڑھ سکتا، اور نہ کوئی گناہ کر سکتا ہے، پھر اس کے بعد کچھ باتوں سے اور اعتماد پیدا ہوتا ہے، اور وہ انھیں اور قریب لے آتی ہیں اور نبی کو قوم کے مال و اولاد اور پیاسے کے لئے پانی سے زیادہ عزیز بنا دیتی ہیں۔ اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کے بغیر کوئی امت کسی نبی کے مخصوص رنگ میں نہیں رنگ سکتی، اسی لئے ان جیسی عبادتوں میں مشغول اشخاص ایسے سے تعلق پیدا کرتے ہیں، جس میں یہ باتیں پاتے ہیں"۔[1]

انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں

وہ مبارک جماعت جس کی عصمت اور صحت علم کی یہ شان اور جس کی امانت، اخلاص اور بے غرضی کا یہ مقام ہو، اور اسے اللہ تعالےٰ نے اعتدال و سلامت روی کے ایسے قالب میں ڈھالا ہو اور اس کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا ہو "وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي"[2] (تاکہ تو میرے سامنے تیار کیا جائے) "إِنَّا أَخْلَصْنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ"[3] (انھیں ہم نے اپنے گھر کے ذکر کے لئے مخصوص کر دیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں تھے) جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو وہ عقل و ذوق و منطق ہر لحاظ سے طاعت و اقتدار، اور تقلید و اتباع کی مستحق ہے، اسی لئے اللہ تعالےٰ نے انبیاءؑ اور ان کی صلاحیت و ہدایت اور اہل دنیا کے مقابلے پر فضیلت، کتاب، سلطنت

---

[1] "حجۃ اللہ البالغۃ" "باب الحاجۃ الی ھداۃ السبل ومقیمی الملل" ج ۱، ص ۸۳، ۸۴

[2] طٰہٰ ۳۹ [3] صٓ ۴۶، ۴۷

اور نبوت دیے جانے کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ[1] — یہی وہ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو آپ ان کی سیرت کی اتباع کیجیے۔

لطف وعنایت کے سزاوار

انبیاء علیہم السلام مورد عنایات الٰہی اور مرکز الطاف و توجہات ہوتے ہیں ان کے اخلاق وعادات، اور ان کی زندگی کے طور طریق سب خدا کی نظر میں محبوب، زندگی کے طریقوں سے ان کا طریقۂ حیات لوگوں کے اخلاق میں ان کا اخلاق، اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔

ایک منزل کو مختلف راستے جاتے ہیں وہ سب راستے ایک ہی جگہ پہنچتے ہیں لیکن انبیاءؑ جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاءؑ کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں[2]، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے اللہ کی محبت و پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، اور ان کی تقلید و اتباع اور ان کے شعائر و خصوصیات کو اپنانا اور ان جیسا اخلاق پیدا کرنا، اللہ کی محبت کو پانے کا مضبوط طریقہ اور قریب و آسان راستہ ہو جاتا ہے، اور جو ان کی اتباع کرتا اور ان جیسا بنتا ہے، وہ خدا کے محبوں ہی میں نہیں

---

[1] الأنعام - ۹۱

[2] کسی شاعر نے اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بڑی خوبی سے ادا کیا ہے ؎

سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو — ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو

بلکہ محبوبوں میں ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست، اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، یہ سنن و عادات الٰہیہ میں سے ہے، جو زمان و مکان کے انقلابات سے بدلتے نہیں، اور جن کی دعوت علانیہ دی گئی ہے، چنانچہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔[1]	کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے حق میں تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور بغیر معنوی رحمت والا ہے۔

اس کے برعکس ظالموں اور کافروں کی طرف میلان اور ان کے طریقوں کی ترجیح اور ان کی مشابہت اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اس سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی۔

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ۔[2]	اور ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا کہ تمہیں آگ کا عذاب پکڑ لے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہو اور تمہاری مدد نہ کی جا سکے۔

بعض عادات و اطوار کی فضیلت کا راز اور شعائر اللہ کی حقیقت

ان پیغمبرانہ عادات و اطوار کا نام شریعت کی زبان میں "خصال فطرۃ" (فطری عادتیں) اور "سنن الہدیٰ" (ہدایت کے طریقے) ہے جس کی شریعت حمایت کرتی اور لوگوں کو

---

[1] آل عمران ۳۱ [2] ہود ۱۱۳

انھیں اپنانے کے لئے آمادہ کرتی ہے، یہ تمام اخلاق و عادات لوگوں کو انبیأ کے رنگ میں رنگتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے کہا ہے:۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ	یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر
صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ۔[1]	کون رنگ ہوسکتا ہے اور ہم اس کے عبادت گذار ہیں۔

اور اللہ تعالےٰ کی ایک عادت کو دوسری عادت، ایک اخلاق کو دوسرے اخلاق، ایک طور وطریق کو دوسرے طور طریق پر ترجیح دینے کا یہی راز ہے، اور یہی وہ راز ہے جسے شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار بتاتی ہے، اور اسے فطرت کے مطابق طریقہ اور اس کے خلاف طریقوں کو انحراف، اور جاہلوں اور کم عقلوں اور کافروں کا شعار کہتی ہے، ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ ایک انبیأ، ان کی پسندیدہ عادات کی نقل اور دوسرا اہل کفر، جاہلی عادات اور شیطان اور اس کے مقلدوں کی مشابہت وشعار ہے۔

اور اس اصل کے تحت کھانے پینے، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے مبادی آجاتے ہیں، اور یہ سنت نبوی و فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

داہنے ہاتھ کو بائیں پر کیوں فضیلت ہے، اور اچھے کام: کھانا پینا، اور کسی اہم چیز کا لینا اور دینا اور ہر عزت کی چیز اسی سے کیوں متعلق ہے، اور بایاں ہاتھ استنجا، اور دوسری ذلیل چیزوں کے لئے کیوں مخصوص ہے؟ حالانکہ دونوں انسان ہی کے ہاتھ ہیں، اور دونوں ہی خدا کی مخلوق اور اس کی صنعت ہیں، اور بہت سی جاہلی قومیں اور انبیأ کی تعلیم وتربیت سے بے خبر امتیں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتیں اور نہ اس وضع کی پابند ہیں، بلکہ

---

[1] بقرہ ۱۳۸

ایک کو دوسرے کے کام کے لیے استعمال کرتی رہتی ہیں۔

اس کا سبب اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ انبیاءؑ عام طور پر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاص طور پر ایسا خدائی الہام کے ماتحت یا اپنی فطرت سلیم کے تقاضے سے کرتے تھے جو ہمیشہ خدا کے پسندیدہ اخلاق وعادات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور داہنے سے شروع کرنا اور اسے ترجیح دینا قابل تعریف اور فطرت سلیم کے مطابق اور اسلامی تہذیب کی خصوصیت کیوں ہے؟ یہ اسی لئے ہے کہ یہ انبیاءؑ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حتی الامکان اپنے تمام کاموں میں داہنے سے شروع کرنا پسند تھا، وضو کرنے یا صفائی میں اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیمن ما استطاع فی شأنہ کلہ فی طہورہ وترجلہ وتنعلہ[1]	نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حتی الامکان ہر کام میں داہنی جانب سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ طہارت کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں بھی

اسی پر طہارت اور ان تمام فطری عادتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو حدیث میں سیدنا ابراہیمؑ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

انبیاءؑ ایک خاص تہذیب و طرز حیات کے بانی

انبیاءؑ نے صرف عقیدہ و شریعت اور صرف ایک نئے دین ـــ اسلام ـــ ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن اور نئے طرز حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں، جو "ربانی تہذیب" کہلانے کی مستحق ہوتی ہے، اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول و ارکان اور شعائر و علامات ہیں،

---

[1] صحیح بخاری

جن کے ذریعہ وہ دوسری تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہو جاتی ہے یہ امتیاز رُخ اور اصل و اساس میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفصیلات و مظاہر میں بھی۔

ابراہیمی محمدی تہذیب

حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ اس خدا پرست تہذیب کے بانی و امام تھے جس کی بنیادیں خدا کی توحید اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیم اور قلب سلیم، اللہ تعالیٰ کے لحاظ و تقویٰ، نوع انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق و طرز حیات اس تہذیب کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، جس کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ[1]	ابراہیمؑ بڑا شریف و حلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ[2]	ابراہیمؑ یقیناً بڑا نرم دل اور بڑا شریف و بردبار تھا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک طرف اس تہذیب کے بانی و موسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو ان کے نسلی وارث بھی تھے اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنھوں نے اس تہذیب میں از سر نو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا، اور اس کے اصول و ارکان اس طرح مضبوط کئے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

---

[1] ہود ۷۵ [2] التوبہ ۱۱۴

اس تہذیب کی خصوصیات و امتیازات

یہ ابراہیمی محمدی تہذیب شرک و بت پرستی سے قطعاً نا آشنا ہے، اور اسے کسی رنگ میں اور کسی مقام اور زمانے میں اپنانے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی ایک بڑی دعا اور ان کی آرزو یہ تھی کہ:۔

وَاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ[1] — اور اے خدا مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کر ہم بتوں کو پوجنے لگیں۔

اور ان کی خاص وصیت اور امتوں اور افراد کو یہ دعوت تھی کہ:۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ — گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو اور جھوٹ کہنے سے
وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ — بچو، خدا کے لئے خالص و مخلص ہو کر اور اس کے
غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِهٖ[2] — ساتھ کسی کو شریک کئے ہوئے بغیر۔

یہ تہذیب حب نفس اور خواہشات نفسانی پر ٹوٹ کر گرنے، دنیا کی بے مایہ و حقیر سامان پر ریجھنے، اور مادہ کے مردار پر کتوں کی طرح غرّانے اور جھگڑنے، اور عہدوں اور حکومتوں کے لئے لڑنے مرنے کا نام نہیں جانتی، یہ تو وہ دعوت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ — یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم انھیں کو دیتے ہیں جو
لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا — زمین میں بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ[3] — پھیلاتے ہیں اور انجام بخیر تو متقیوں ہی کا ہوتا ہے،

یہ تہذیب انسان، انسان میں فرق کرنا نہیں جانتی اور نہ رنگ و نسل و وطن کا بھید بھاؤ

---

[1] ابراہیم ۳۵ [2] الحج ۳۰، ۳۱ [3] القصص ۸۳

پیدا کرتی ہے۔

فالناس کلھم من آدم وآدم من تراب لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقوی یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[1]

سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی کے بنے تھے عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹا کہ ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے خدا کے نزدیک معزز تم میں کا متقی شخص ہے۔

اور حضرت خاتم المرسلینؐ نے فرمایا۔

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل علی عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ۔[2]

وہ ہم میں سے نہیں جس نے جاہلی جتھابندی کی دعوت دی اور جو جاہلی جتھابندی کے لیے لڑا اور جو جاہلی جتھابندی کے پیچھے مرا۔

اور انصار و مہاجرین کی دہائی دینے والوں کو سرزنش فرمائی۔

دعوھا فانھا منتنۃ[3]

اس عصبیت کو ترک کر دو یہ گندی اور مردار ہے

یہ وہ تہذیب ہے جس کا شعار اور طغرائے امتیاز عقائد کے دائرہ میں توحید، معاشرت کے میدان میں مساواتِ انسانی اور احترام آدمیت، اخلاق کے بارے میں خدا کا خوف، اس سے حیا، اور تواضع و انکسار ہے، میدانِ عمل میں آخرت کی جد و جہد اور اللہ کے راستے میں جہاد، میدانِ جنگ میں رحم کا جذبہ اور حدود کی پابندی اس کی خصوصیت ہے، یہ تہذیب حکومت کے طور و طریق اور نظم و نسق میں مالی مفاد پر دینی مفاد کو تحصیل وصول اور

---

[1] سیرۃ ابن ہشام [2] ابوداؤد [3] بخاری

اضافۂ آمدنی پر ہدایت کو نفع اٹھانے سے زیادہ نفع پہونچانے، خدمت لینے سے زیادہ خدمت کرنے کے اصول کو ترجیح دیتی ہے، یہ تہذیب تاریخ میں اپنی مخلصانہ انسانی خدمت اور انسانیت کو جاہلیت کے چنگل اور سرکش و گمراہ دعوتوں سے نجات دلانے اور صفحۂ عالم پر اپنی دلکشا یادگاروں اور اپنی پھیلائی ہوئی برکتوں کے لئے نیک نام اور زندۂ جاوید ہے۔

یہ تہذیب اللہ کے نام اور اس کے ذکر و فکر کے خمیر سے تیار ہوئی ہے، اور خدائی رنگ میں رنگی ہوئی اور ایمان کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے، اس لئے اسے اس کے دینی رنگ سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ربانی رنگ اور ایمانی آہنگ سے اس کی علیحدگی ممکن ہے۔

انبیاءؑ کی اطاعت و تقلید پر قرآن کا زور

قرآن مجید جگہ جگہ انبیاءؑ کی اتباع، ان کی سیرت کو اپنانے اور ان کے طرز پر زندگی گذارنے، اور حتی الامکان ان کی مشابہت اختیار کرنے پر زور دیتا اور کہتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا[1]	بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونۂ عمل ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخرت سے پر امید ہے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ برابر یہ دعا مانگتے رہیں کہ:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ	اے خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ ان کی راہ

[1] الاحزاب ۲۱

عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔[۱] جو تیرے مغضوب ہیں اور نہ گمراہوں کی راہ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کے انعام سے سرفراز بندوں کے سرگروہ انبیاء اور رسول ہی ہیں، اس دعاء کو نماز میں بھی شامل کر دیا گیا جب بھی انسان اس دعاء کے قوانین کی پیروی اور ان انعام یافتہ بندوں کی سیرت وصورت میں مشابہت کرے گا تو خدا سے قریب اور اس کے نزدیک معزز ہوگا۔

انبیاءؑ کا احترام اور ان سے محبت

قرآن انبیاء کے لئے اس اعزاز واحترام اور توقیر واکرام کا طالب ہے جو قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو اور ان سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے، اور صرف ان کی اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذبات محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور دوسرے فوجی وسیاسی لیڈروں کے ساتھ عوام کا ایک رسمی تعلق ہوتا ہے قرآن مومن سے زکوٰۃ وصدقات کے محض فرائض کی ادائیگی اور احکام کی ضابطہ کی تعمیل کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ اس کا مطالبہ یہ بھی ہے:۔

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ۔[۲] اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد کرو اور اس کی عزت و تعظیم کرو۔

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ۔[۳] جو اس رسول پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی مدد کی۔

اسی لئے اس نے ہر اس چیز کا حکم دیا جس میں ان کی عزت وحرمت کی حفاظت

---

[۱] فاتحہ [۲] الفتح ۹ [۳] الاعراف ۱۵۷

ہوتی ہو، اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو، اور جس سے ان کی عزت مجروح، ان کی شان گھٹتی اور ان کی بڑائی کم ہوتی ہو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا	اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے
اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا	مقابلے پر بلند نہ کرو اور نہ اس طرح پکارو
تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ	جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو مبادا تمہارے
لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ	اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔
لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ	جو لوگ رسول اللہ کی مجلس میں اپنی آوازیں پست
اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ	رکھتے ہیں دراصل وہ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ
الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ	کے لئے پرکھ لئے ہیں انھیں کے لئے مغفرت اور
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ۔[1]	بڑا ثواب ہے۔
لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ	اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایک دوسرے
كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔[2]	کے بلانے کی طرح مت بناؤ۔

اسی لئے نبیؐ کی وفات کے بعد امت پر ان کی ازواج حرام کر دی گئیں۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ	تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو
وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ	اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے ان کے بعد نکاح کرو
اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا۔[3]	یہ بات خدا کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صریح نصوص میں رسول کی محبت اور اپنی جان، مال اور آل و اولاد کے مقابلے پر ترجیح کا مطالبہ کیا گیا ہے، صحیحین میں ہے۔

---

[1] الحجرات ۲، ۳ [2] النور ۶۳ [3] الاحزاب ۵۳

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ	تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے
من والدہ وولدہ والناس اجمعین[1]	لئے اس کے باپ اس کے لڑکے اور تمام لوگوں کے
	مقابلے پر زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

طبرانی معجم کبیر اور اوسط میں "من نفسہ" کے الفاظ کا اضافہ ہے، یعنی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

اور اسی طرح فرمایا گیا:۔

ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ	جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کی حلاوت
الایمان من کان اللہ ورسولہ احب	پا سکتا ہے، ایک وہ جس کے لئے اللہ اور اس کا
الیہ مما سواھما الخ	رسول اوروں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

جذبۂ محبت کی تاثیر اور طاعت رسول میں صحابہؓ کی فنائیت کا راز

رسولؐ کی مخلصانہ اور مکمل اطاعت، نبوی اخلاق کو اپنانا، شریعت کو خواہشات نفس اور رسم و رواج و عادات پر ترجیح دینا، اور دعوت اسلامی کی راہ میں جانی و مالی فداکاری، بغیر اس دلی محبت کے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہو اور انسان کے عقل و دل و نگاہ پر محیط و مستولی ہو ممکن نہیں، اسی لئے فرمایا گیا:۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ	آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے،
وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ	اور بھائی، بیویاں اور خاندان اور اپنا جمع کردہ
وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ	مال، اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے

---

[1] صحیحین

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا	ڈرتے ہو اور وہ گھر جنھیں پسند کرتے ہو اللہ اس کے
أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ	رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ عزیز
فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ	ہے تو انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لائے اور خدا
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ[1]	فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی لئے صحابہ کرامؓ رسولؐ کی اطاعت کے حریص، اس کی طرف لپکنے والے، اس میں نشاط محسوس کرنے والے اور اس پر صبر کرنے والے تھے اور اسی لئے انھیں اس باب میں ہمیشہ سبقت و خصوصیت حاصل رہے گی حضرت صدیق اکبرؓ ایسے ہی لوگوں میں تھے، ان کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی اور آپؐ کی صحت و زندگی کو اپنی صحت و زندگی پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نے ان کے چہرے پر پھٹے ہوئے جوتوں سے پیہم ضربیں لگائیں اور سینے پر سوار ہو کر اسقدر زد و کوب کیا کہ چہرے کے اعضاء و خد و خال کی تمیز مشکل ہو گئی ان کا قبیلہ بنو تیم کے لوگ اس حال میں انھیں ایک کپڑے میں ڈال کر اٹھا لائے کہ ان کی موت میں کسی کو شبہ نہ تھا، مگر جب دن چھپے انھیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی پوچھا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں؟ اور جب انھیں اطمینان دلایا گیا کہ آپؐ بخیریت ہیں، تب بھی انھیں اطمینان نہ ہوا اور انھوں نے کہا۔

ان لله عليّ ان لا اذوق طعاما	مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک کھانے پانی کو
ولا اشرب شرابا او آتي رسول الله	ہاتھ نہ لگاؤں جب تک کہ رسولؐ خدا کے دیدار سے
صلى الله عليه وسلم[2]۔	اپنی آنکھیں روشن نہ کر لوں

ایسے ہی جانثاروں اور عاشقوں میں وہ انصاری خاتون تھی جس کو غزوۂ احد کے موقع پر اس کے قریب ترین عزیزوں، باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر دی جاتی رہی مگر اس نے ان سب کو نظر انداز

---

[1] البراءة ۲۴۔ [2] البداية والنهاية ج ۳ ص ۳۰

کرکے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی اور لوگوں نے آپ کی خیریت بتائی تو اس نے زیارت کے بعد کہا کل مصیبة بعدک جلل[1] آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔

ایسے ہی فدائیوں میں عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی تھے جنھوں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو معزز ذلیل کو نکال دے گا، وہ مدینہ کے دروازے پر باپ کے مقابلے پر تلوار لے کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ کیا تم ہی نے ایسا کہا تھا؟ بخدا تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عزت تمہارے لئے ہے یا رسول اللہ صلعم کے لئے؟ تم مدینہ کے سایہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر جا نہیں سکتے چنانچہ انھوں نے اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ رسول اللہ صلعم نے اسے آنے کی اجازت نہ دیدی[2]۔

یہ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے سر ہتھیلی پر لے کر نکلے اور زندگی انھیں گراں لیکن اعزا اور وطن کو چھوڑنا اور اللہ کے رستے میں شہادت خوشگوار ہو گئی، اور اسی وجہ سے وہ غزوۂ بدر کے موقع پر یہ کہہ سکے کہ:۔

ان امرنا تبع لامرک فواللہ لئن سرت	ہمارا معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہے، بخدا اگر آپ
حتی تبلغ البرک من غمدان لنسیرن	برک غمدان تک چلیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے
معک واللہ لئن استعرضت بنا ھذا	اور بخدا اگر آپ فرمائیں گے تو ہم اس سمندر میں آپ
البحر خضناہ معک[3]۔	کے ساتھ کود پڑیں گے۔

عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر

آج عالم اسلامی میں شریعت پر عمل میں کوتاہی اور طاعات سے غفلت اور نفس پر ہر گراں گذرنے والی چیز سے وحشت، اور نبی کی سنتوں کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی غفلت، سب

---

[1] ابن اسحاق، بیہقی۔ [2] تفسیر طبری ج ۲۸ [3] مقولۂ سعد بن معاذؓ

اسی عظمت رسولؐ کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن زور دیتا ہے اس کے ساتھ ہی رسولؐ سے محبت کی کمی کو بھی اس میں بہت دخل ہے، یہ وہی جذبہ ہے جو پہلے اور اب بھی حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ اور تاریخ میں عجائبات و معجزات کے لئے مشہور رہا ہے اور اس جذبہ کی کمی عقل، عزم، نظام کے بڑی سے بڑی مقدار سے بھی پوری نہیں ہو سکتی اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

نبیؐ کی اطاعت و محبت ہی میں قوم کی فلاح ہے

امتوں کی تقدیریں، ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع و انقیاد، ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے، ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت و ذلت ہر حال میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے سے متعلق ہوتی ہیں۔

چنانچہ کوئی امت تمام طاقتوں، عقل و وسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب، فلسفوں اور حالات و حوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ نبیؐ کی اتباع، اس سے محبت اور اس کی دعوت کے لئے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے، اور جو امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت، اور قوت و اہمیت کے حصول کے لئے اپنی دانشمندانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پناہی پر بھروسہ کرتی ہے تو اس کا انجام ذلت و ناکامی، داخلی انتشار، اور دیر سویر رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب

عالم اسلام عام طور پر اور عرب دنیا خاص طور پر اس حقیقت کے بہترین گواہ ہیں، ان ممالک میں جب نبی امی کی اتباع گراں گذرنے لگی اور سیاسی لیڈروں کے مطالبات میں نبیؐ کے مطالبات سے زیادہ دلچسپی بڑھ گئی اور نبیؐ کی طرف نسبت سے اور ان کی غلامی کو شرف سمجھنے سے ان کو گریز ہونے لگا

اور نبیؐ کے دین، ان کے احکام اور ان کی تہذیب سے ہٹ کر ان کے اکثر ممالک قومیت و وطنیت، اشتراکیت اور دوسرے جدید فلسفوں کو اپنانے لگے تو کوئی کامیابی نہ حاصل کر سکے اور نہ اپنا کوئی مسئلہ حل کر سکے بلاکسی معذرت کے ممالک عربیہ کی مثال پیش کروں، وہ اپنی وحدت کو پارہ پارہ کر چکے ہیں، وہ ایک فلسطین کا مسئلہ اتنی طویل مدت میں بھی نہ حل کر سکے اور عالم اسلامی یا عالم انسانی کی صف میں کوئی باعزت مقام بھی نہیں حاصل کر سکے ہر دن ان کے لئے نئی مشکل اور نیا مسئلہ لے کر ہی آتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمرؓ نے شام میں اپنے عرب ساتھیوں سے سچ کہا تھا، (جو بڑے صحابہ اور فتوحات اسلامی کے قائد تھے، اور جنھوں نے انھیں ایک بڑی حکومت کے سربراہ کی شان اختیار کرنے کو کہا تھا) انکم کنتم اذل الناس فاعزکم اللہ بالاسلام فمہما تطلبوا العز بغیرہ یذلکم اللہ[۱] تم سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے پھر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی تو جب بھی تم اسلام کے بغیر عزت چاہو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ۶۰/۷۔

چوتھا خطبہ

ارادۂ الٰہی اور اسباب مادی

مادی اسباب کے سلسلے میں انبیاءؑ اور ان کے مخالفین کا فرق

قرآن کا ــــ جو وہ واحد کتاب ہے، جس نے انبیاء کی تاریخ، ان کے حالات زندگی، اور پیمبرانہ خبروں کو محفوظ رکھا ہے ــــ پڑھنے والا تسلسل اور وضاحت کے ساتھ یہ دیکھے گا کہ انبیاء کی بعثت ہمیشہ بڑے تاریک مخالف ماحول میں ہوئی ہے، ... مادی لحاظ سے بھی وہ کمزور اور بے سروسامان تھے، اور ملک ومال، دوست اور ساتھی، اور دوسرے وہ تمام مادی اسباب جن پر انسانوں کو ناز ہوتا ہے، ان کے مخالفین کے پاس تھے، اور ان کے ماتحت تھے، انبیاء کا سرمایہ وہ مضبوط ایمان ہوتا ہے جس تک شک کی رسائی بھی نہیں، اخلاص کامل ہوتا ہے جس میں طمع ونفاق کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی، اللہ پر بھروسہ، اس کی طرف رجوع، اس کی چوکھٹ پر افتادگی، عمل صالح تقویٰ، احسن سیرت، اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر (مذکورہ صفات کی اہمیت برقرار رکھتے ہوئے) وہ صحیح ایمانی دعوت ہوتی ہے جس کی کامیابی کی ضمانت خود خدا نے کی ہے۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ[1]

ہم اپنے پیمبروں اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی اور اس دن جب گواہ کھڑے ہوں گے مدد کریں گے۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ[2]

اللہ نے طے کر رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب آئیں گے اللہ یقیناً قوی اور غالب ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ[3]

ہماری بات طے ہو چکی ہے اپنے بندوں اور رسولوں کے لیے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہماری فوج ہی غالب ہوگی۔

متعین و مقصود موضوع

قرآن کے پڑھنے والے کے سامنے یہ بھی آ رہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے جو قصے ان کی دعوت کی خبریں اور اس سلسلے میں پیش آنے والے مقابلوں، جنگوں، سازشوں اور قوم کی منفقہ دشمنی اور متحدہ محاذ آرائی کا جو نقشہ کھینچا ہے، اور اس خطرناک لڑائی کا جو نتیجہ بیان کیا ہے، وہ ہمیشہ ایک نہتے مرد فقیر اور ایک سرمایہ دار اور ذی اثر قوم کے درمیان یا کسی جابر بادشاہ سے ہوئی اور پھر نبوی دعوت اور اس کے علمبردار اپنے فقر و کمزوری کے باوجود کامیاب اور ذی اثر سرمایہ دار اور جابر بادشاہ اپنی قوت و سطوت کے باوصف ہمیشہ ناکام رہے یا اس دعوت کو ماننے پر مجبور ہو گئے ــــــ وہ ایک مقصود مطلوب چیز ہے، یہ ایک مشترک حقیقت محض ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک دائمی سنت الٰہی اور ایک طے شدہ بات ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ اچانک حادثات اور بخت اور اتفاق سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی جو نادانوں

---

[1] المومن ۵۱ [2] المجادلہ ۲۱ [3] الصّٰفّٰت ۱۷۱-۱۷۳

اور بے عملوں کی منطق اور تسکین کا سامان ہے۔

اور یہ واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں، ان کے ذریعے اس قدرت کاملہ پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے جس نے اسباب کو پیدا کیا اور جو اسباب کی مالک، ان میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والی اور انھیں موثر یا غیر موثر کر دینے والی ہے، اور وہ قدرت ـــــ جیسا کہ ہم نے سابقہ خطبہ میں کہا ـــــ کہ اسباب کو پیدا کر کے خود معطل اور کمزور نہیں ہوئی اور اپنے ارادے سے انھیں دوسروں کو دینے کے بعد خود اس سے محروم نہیں ہوئی اور نہ وہ تخلیق و ایجاد، اور غلبہ و کامرانی کے لئے ان اسباب کی محتاج ہی ہے۔

یہ واقعات حق کی قوت، اس کے باقی رہنے کی صلاحیت اور باطل کی کمزوری اور اس کی سست بنیادی پر دال ہیں اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ[1]	آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نہ اب شروع ہوگا نہ اس کی بازگشت ہوگی۔
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ[2]	بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں اور وہ اس کی سرکوبی کرتا ہے اور پھر وہ مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے اس میں جو تم کہتے ہو ہلاکت ہے۔
فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ[3]	جھاگ یونہی ختم ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے، وہ زمین پر باقی رہتا ہے اس طرح اللہ مثالیں دیتا ہے۔

---

[1] سبا ۴۹ [2] الانبیاء ۱۸ [3] الرعد ۱۷

تجربہ اور اللہ کی رحمت کی ترغیب

اس طرح کے قرآنی قصے اللہ اور اس کی مدد پر توکل کی —(زمانہ کے تمام اختلافات کے باوجود)— دعوت ہیں، اور تمام ناسازگار و مخالف فضا اور حالات میں بھی دعوت حسن سیرت اور عمل صالح پر اعتماد بحال کر دیتے ہیں۔ خدائی نصرت کے معجزانہ کارنامے، اور قدرت الٰہیہ کے عجائبات کے تذکرے قرآن میں بہ تکرار آتے رہتے ہیں۔ جب قرآن کسی نبی کو خدائی مدد، فتح مبین، قبولیتِ دعا، اور دشمن پر غلبہ کا ذکر کرتا ہے تو وہیں اس نبی کے ماننے والوں اور اس کی دعوت کے حامیوں کو اس تجربہ کی دعوت بھی دیتا اور انہیں رحمت الٰہی سے پُر امید کر دیتا ہے۔ جیسے ایوبؑ نبی پر خدا کے عطیے کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا:—

رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ [1]	یہ ہماری رحمت سے ہوا اور عبادت گزاروں کے لئے تنبیہ ہے۔

حضرت یونسؑ کے بارے میں فرمایا گیا:—

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ [2]	ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور ہم ایسے ہی مومنین کو نجات دیتے ہیں۔
سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [3]	موسیٰ و ہارون پر سلامتی ہو ہم اسی طرح نیکوں کو بدلہ دیتے ہیں۔
سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [4]	الیاس پر سلام ہو ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

۱؎ الانبیاء ۸۴ ۲؎ ایضاً ۸۸ ۳؎ الصّٰفّٰت ۱۲۰-۱۲۱ ۴؎ ایضاً ۱۳۰، ۱۳۱-

قصۂ لوطؑ کے ذکر کے بعد فرمایا گیا:۔

نِعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ[1]

یہ بطور ہماری نعمت کے ہوا جو شکر کرتا ہے اسے ہم ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

اس لئے قرآن کے بڑے حصے پر مشتمل یہ قصّے تفریحی قصّے یا تاریخی کہانیاں نہیں بلکہ وہ ..... ذکر و موعظت، ترغیب، دعوت و ارشاد، رہنمائی اور تقویت و تشجیع کی حیثیت رکھتے ہیں:۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ[2]

ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے سامانِ عبرت ہے، یہ کوئی گڑھی ہوئی بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلے واقعہ کی تصدیق، ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والی قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ[3]

اور ہم انبیاء کی تمام خبریں آپؐ کو دیتے ہیں جس کے ذریعہ آپؐ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور آپؐ کے پاس اس بارے میں حق آچکا جو نصیحت اور مومنین کے لئے یاد کرنے کی چیز ہے۔

تمام انبیاء کے ساتھ اللہ کا طریقہ

اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ تمام انبیاء کے ساتھ رہا ہے، مثلاً حضرت نوحؑ کی قوم نے جب ان سے کہا:۔

---

[1] القمر ۳۵ [2] یوسف ۱۱۱ [3] ہود ۱۲۰

أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ[1] — کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ ذلیل لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے اللہ تعالےٰ سے عجز کے ساتھ اپنے ضعف کی شکایت کی:۔

أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ[2] — میں شکست کھا رہا ہوں میری مدد کر!

اور حضرت لوطؑ نے قوم سے کہا:۔

لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ[3] — کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کسی مضبوط چیز کا سہارا لیتا۔

اور حضرت شعیبؑ کی قوم نے ان سے کہا:۔

مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ[4] — جو تم کہتے ہو اس کا بیشتر حصہ ہم نہیں سمجھ پاتے اور ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور پاتے ہیں، اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر غالب آنے والے نہیں۔

اور فرعون اپنے اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں صراحت اور بے شرمی کے ساتھ کہتا ہے:۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ۝ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ — اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کیا اور کہا کہ اے قوم کیا میرے پاس مصر کی سلطنت نہیں؟ اور یہ نہریں میرے قدموں کے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں جو ذلیل ہے اور بولنے پر بھی قادر نہیں اور اگر وہ

---

[1] الشعراء ۱۱۱ [2] القمر ۱۰ [3] ہود ۸۰ [4] ایضاً ۹۱

اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْجَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ۔[1]	سچا ہے تو اس کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں آئے یا اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آئے۔

انبیا جن قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے وہ بڑی قوت وقدرت والی بڑے سازوسامان کی مالک اور بڑی خوشحال قومیں تھیں حضرت ہودؑ کا قول اپنی امت کے بارے میں گذر چکا۔

وَاتَّقُوا الَّذِیْٓ اَمَدَّکُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ۝ اَمَدَّکُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِیْنَ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ۝[2]	ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو تمہیں جانور دیئے، اولادیں دیں، باغ دیئے اور چشمے۔

اور حضرت صالحؑ نے اپنی امت سے اس طرح فرمایا۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ۝ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ اَتُتْرَکُوْنَ فِیْ مَا ھٰھُنَآ اٰمِنِیْنَ۝ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُھَا ھَضِیْمٌ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا فٰرِھِیْنَ۝[3]	تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، اور میں اس کام سے بدلا نہیں مانگتا میرا بدلہ (خدا) رب العالمین کے ذمہ ہے کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ یعنی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں، اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش خراش کر کے گھر بناتے ہو۔

اور شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا "اِنِّیْٓ اَرٰکُمْ بِخَیْرٍ"[4] میں تمہیں خوشحال دیکھ رہا ہوں۔ لیکن خدا کی عطا کردہ اس خوش حالی کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کا جواب قرآن کی زبان سے سنئے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِّنْ	کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو

---

[1] الزخرف ۵۱ تا ۵۳۔ [2] الشعراء ۱۳۲-۱۳۴ [3] ایضاً ۱۴۴ تا ۱۴۹۔
[4] ہود ۸۴

فَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ[1]

ہم نے ہلاک کر دیا جنھیں زمین میں ہم نے وہ طاقت دے رکھی تھی، جو تمھیں نہیں دی، اور ہم نے ان پر آسمان کے دہانے کھول دیئے، اور ان کے نیچے نہریں بھی بہائیں پھر ان کے گناہوں کے سبب انھیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری نسل کو کھڑا کر دیا۔

مادیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور اسباب کی خدائی کے خلاف سب سے بڑی بغاوت

حضرت ابراہیمؑ کا قصہ جو قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے، وہ مادی اسباب کی ذاتی تاثیر کے خلاف سب سے بڑا چیلنج ان اسباب اور ان کے ماننے والوں کی قوت کا مذاق اڑانے والا اور ان کی کمزوری اور غیر مفید ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، گویا حضرت ابراہیمؑ مادیت اور اس کے حاملین کے استخفاف و استہزا پر مامور ہو کر آئے تھے، جو اس کی تقدیس کرتے اس کا کلمہ پڑھتے، اور اس پر ہر طرح بھروسہ کرتے تھے ان کو حقیر سمجھنے اور خدا کی مدد سے ان پر فتح پانے اور ان کی تذلیل میں خاص لذت، قلبی تسکین اور روحانی غذا حاصل ہوتی تھی، اور گویا وہ اپنے ایمان و توحید کے طویل اور بابرکت سفر میں ہر قدم پر مادیت کو اپنے قدموں سے روندنے اپنے عزم سے اسے مسخر کرنے کا التزام کر کے شک پر ایمان کی، مادہ پر روح کی، نظام شرک پر توحید کی نئی فتح کا سرو سامان کر رہے تھے۔

اپنی طویل زندگی میں انھوں نے اپنے ماحول کی قوت و بادشاہت، مادہ اور معدہ کی

---

[1] الانعام ۶

عبادت، باطل خداؤں، اور دھمکانے والی طاقتوں کے خلاف ہمیشہ علم بغاوت بلند رکھا، اس کا راز یہ تھا کہ ان کے وقت کی دنیا مادی اسباب کی شدت سے قائل اور اس پر حد سے زیادہ اعتماد کر بیٹھی تھی حتیٰ کہ وہ اسے مستقل اور ذاتی طور پر مؤثر سمجھنے لگی تھی اور اسے خدا کے ساتھ ایک خدا کی حیثیت دیدی تھی۔

مادیت کی یہ غلامی، تقدس، اور اس پر اعتماد نے ان کی بت پرستی کے پہلو میں ایک نئی بت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی جس میں وہ پہلے سے ڈوبے ہوئے اور ان کی بندگی میں پھنسے ہوئے تھے، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی دونوں بت پرستیوں کے خلاف بغاوت اور اعلان جنگ، خالص توحید کی دعوت، اور اللہ کی بسیط و محیط قدرت کا اعلان اور اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ عدم سے چیزوں کو وجود میں لاتا ہے، اور وہ اسباب کا خالق بھی ہے، اور ان کی زمام کار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ اسباب سے تاثیر سلب کر سکتا، اور اشیاء کی خاصیت و افادیت کو روک سکتا، اور ان کا الٹا اثر پیدا کر سکتا اور ان کو جس کا چاہے، تابع و فرمان بنا سکتا ہے۔

لوگوں نے اس "بغاوت" کے جرم میں آگ کا الاؤ تیار کیا اور یہ تجویز پاس کی کہ:۔

حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ۔[1] — اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو یقین کامل تھا کہ آگ، اللہ کے ارادے کی تابع ہے، اور جلانا اس کی ایسی صفت نہیں جو اس سے الگ نہ ہو سکے، بلکہ یہ اس میں بطور امانت رکھی ہوئی ایک خاصیت ہے جس کی لگام کبھی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی اور کبھی کھینچ لی جاتی ہے، اور اسے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا جاتا ہے، چنانچہ آپؑ اس "نار نمرود" میں مومنانہ شان کے ساتھ مطمئن اور پر اعتماد انداز میں

---

[1] الانبیاء ۶۸

کود پڑے اور نتیجہ آپ کے یقین کے تابع ہی رہا۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى	ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم کے لئے ٹھنڈک
اِبْرٰهِيْمَ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ	اور سلامتی بن جا، اور وہ لوگ اسے نقصان پہنچانا
الْاَخْسَرِيْنَ۔ [۱]	چاہتے تھے تو ہم نے انہی کو ناکام کر دیا۔

لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ زندگی بغیر سرسبزی، خوشحالی اور پانی کی فراوانی کے ممکن نہیں، اس لئے وہ اپنی آل و اولاد، اور اپنے رہنے سہنے کے لئے ایسی زرخیز زمین حاصل کرتے تھے جن میں پانی کی افراط اور شادابی کی فراوانی ہو اور جہاں صنعت و تجارت کی سہولتیں حاصل ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس چلی ہوئی عادت، اور عام رسم و رواج، اور اسباب پر تکیہ کرنے کے خلاف بھی قدم اٹھایا، اور اپنے چھوٹے سے خاندان کے لئے ــــ (جو ایک ماں اور بیٹے پر مشتمل تھا) ــ ایک بے آب و گیاہ وادی پسند کی جس میں نہ زراعت ممکن تھی، نہ تجارت اور جو دنیا اور اس کی تجارتی منڈیوں سے بالکل کٹی ہوئی اور سرمایہ کے مرکزوں سے بہت دور تھی۔

آپؑ نے اللہ سے رزق میں وسعت کی دعا کی کہ وہ دلوں کو اس وادی کی طرف مائل کردے اور یہاں تک پھل اور میوے بغیر کسی معروف طریقے کے پہنچا دے آپ نے کہا۔

رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ	اے رب میں نے اپنے خاندان کو ایک ناقابل کاشت
غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ	وادی میں تیرے معزز گھر کے قریب بسایا ہے،
رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً	اے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ	ان کی طرف مائل کر اور انھیں پھل میسر کر شاید وہ
مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ [۲]	شکر ادا کریں۔

---

[۱] الانبیاء ۶۹، ۷۰ [۲] ابراہیم ۳۷

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور انھیں رزق، امن و عافیت کی ضمانت دی اور ان کے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور خیر و برکت کے خزانوں کا مرکز بنا دیا:۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔[1]	کیا ہم نے ان کے لئے ایک پُر امن حرم مہیا نہیں کیا جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں اور جو ہماری طرف سے بطور رزق کے تھے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔[2]	تو انھیں اس گھر کے خدا کی عبادت کرنا چاہیے جس نے انھیں بھوک کے بعد کھانا کھلایا اور خوف کے بعد امن نصیب کیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے انھیں ایسی خشک زمین پر اتارا تھا جہاں پیاس بجھانے اور حلق تر کرنے کے لئے پانی کا نام و نشان تک نہ تھا، لیکن ریت کے ذروں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا، اور وہ اس وقت سے اب تک اس طرح جاری ہے کہ لوگ اسے جی بھر کر پیتے اور اپنے ملکوں کو لے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے گھر والوں کو چٹیل میدان میں لا چھوڑا تھا، مگر وہ ایسا مرکزی مقام بن گیا جس کے لئے اطرافِ عالم کے لوگ عزم سفر کرتے اور رختِ سفر باندھ کر آتے ہیں، دنیا کے گوشہ گوشہ سے منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے پہونچتے ہیں، اور دور دراز علاقوں سے آتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت اسباب کی عبادت اور ان کی بندگی کے لئے چیلنج اور اللہ اور اس کی قدرت مطلقہ اس کے غالب ارادے پر ایمان کی زندہ مثال تھی، اور اللہ تعالیٰ کا ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا کہ اس نے ان کے

---

[1] القصص ۵۷ [2] القریش ۳، ۴

سامنے اسباب کو جھکا دیا، اور ان پر حیرت انگیز نوازشیں کیں۔[1]

حضرت موسیٰ کا واقعہ تنگ اور محدود مادی ذہنیت کے لئے چیلنج

قصۂ ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ کا قصہ بھی اس عقل مادی کے لئے ایک کھلے چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے، جو اسباب و حوادث کو خود مختار، ابدی اور جامد قانون سمجھتی ہے، اور ایسی قاہر طاقت خیال کرتی ہے، جو حاکم ہیں محکوم نہیں۔

یہ قصہ ان لوگوں کو بڑی آزمائش میں ڈال دیتا ہے، جن کی فکر و نظر ماورائے اسباب یا اسباب سے اوپر نہیں جاتی، یہاں میں اپنے ایک سابق مقالے سے مدد لوں گا جس میں حضرت موسیٰؑ کے قرآنی قصے اور اس کی عبرت و بصیرت کا جائزہ لیا گیا تھا، اس میں کہا گیا تھا:

"حضرت موسیٰؑ مصر کے ایک تاریک اور گھٹے ہوئے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں، جو بنی اسرائیل کو پورے طور پر گھیر چکا، اور ان کے لئے نجات کے تمام راستے بند کر چکا تھا، حال مایوس کن، مستقبل تاریک، تعداد تھوڑی، وسائل معدوم، قوم بے عزت، دشمن بالادست، حکومت ظالم، یہ چیزیں ان کی راہ میں حائل تھیں نہ کوئی ان کا دفاع کرنے والا تھا، نہ کوئی بچانے والا، بنی اسرائیل کی حیثیت اس قوم کی سی تھی جس کا انجام بد معلوم و طے شدہ ہو اور وہ بدبختی اور فنا کے لئے پیدا ہوئی ہو ——— ان حالات میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں، اور ان کی ولادت و زندگی فلسفۂ اسباب اور وقت کے نظام کے لئے سراپا چیلنج ثابت ہوتی ہے، فرعون نے چاہا کہ وہ پیدا نہ ہوں مگر وہ پیدا ہو کر رہے، اس نے خواہش کی کہ زندہ نہ رہیں، مگر وہ زندہ بھی رہے اور لکڑی کے

---

[1] یہ حصہ مصنف کے مضمون مندرجہ "المسلمون" ص ۸۰۱، ۱۸ عدد ۷، ۱۳۸۱ھ سے ماخوذ ہے۔

ایک بند صندوق میں نیل کے گہرے پانی میں معجزانہ طور پر زندہ رہے۔

آپؑ دشمن کی گود میں پرورش پاتے اور قاتل کی حفاظت میں پروان چڑھتے ہیں۔

آپؑ بھاگتے اور نجات پاتے اور ایک درخت کے سائے میں محزون ولاچار ہو کر جا بیٹھتے ہیں، اور پھر سرفراز مہمانی، اور پسند کی شادی سے متمتع ہوتے ہیں، اہل وعیال کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں، راستے میں ناواقفیت اور رات کی تاریکی سے واسطہ پڑتا ہے، اس کے ساتھ ہی بیوی کو ولادت پیش آتی ہے، اور ان کے لئے آگ کی تلاش ہوتی ہے اور وہ ایسا نور پالیتے ہیں، جس کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قسمت چمک جاتی اور ایک عالم راہ یاب ہو جاتا ہے، نبی ایک عورت کی ضرورت اور مدد کا سامان ڈھونڈتا ہے تو وہ پوری انسانیت کی مدد اور ضرورت کا سامان پالیتا ہے، اور نبوت وپیمبری سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

وہ فرعون کے خدم وحشم سے بھرے ہوئے دربار میں داخل ہوتے ہیں؛ حالانکہ وہ کل مطلوب ومفرور ملزم کی حیثیت میں تھے جس پر فرد جرم لگ چکی اور مقدمہ دائر ہو چکا تھا، اور ان کی زبان میں لکنت اور ارادوں میں تذبذب تھا، لیکن آج وہ فرعون اور فرعونیوں کو اپنی دعوت وایمان، اور حجت وبیان سے مغلوب کر لیتے ہیں، اور فرعون، ساحروں کی مدد سے اعجاز موسوی کو دبانا چاہتا ہے، جسے وہ ایک کرتب اور جادو سمجھتا ہے، لیکن ساحر عاجز اور قائل ہو جاتے ہیں، اور کہہ اٹھتے ہیں۔

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ [۱]	ہم رب العالمین رب موسیٰ وہارون پر ایمان لائے۔

انھیں اسرائیلیوں کو لے کر راتوں رات ظلم کی سرزمین سے نجات کی سرزمین کی طرف

---

[۱] الشعراء ۷۰، ۴۸۔

کوچ کا حکم ملتا ہے، اور فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہے، صبح جب ہوتی ہے تو حضرت موسیٰؑ سمندر کو اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتے دیکھتے اور دشمن کو اپنے پیچھے یلغار کرتے دیکھتے ہیں، اور سمندر میں گھس پڑتے ہیں، سمندر دو ٹکڑے ہو جاتا اور ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰؑ اور قوم سمندر پار کر لیتی ہے، ان کے دیکھا دیکھی فرعون بھی اپنی فوج کے ساتھ سمندر میں اترتا اور غضب ناک سمندر کا لقمہ بن جاتا ہے، اس طرح فرعون اور اس کی قوی جماعت ہلاک ہوتی اور بنی اسرائیل کی محتاج اور کمزور قوم ان کی جگہ لیتی ہے۔[1]

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ[2]

اور ہم نے اس قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی ہے، مالک بنا دیا جو کمزور بنادی گئی تھی اور آپ کے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل کے لئے پوری ہو کر رہی، ان کے صبر کے نتیجے میں، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی کارستانیوں کو مٹا کر رکھ دیا اور جو کچھ وہ انگور کی بیلیں چڑھاتے تھے۔

قصۂ حضرت یوسفؑ اور معروف طریقوں سے اس کی دوری

حضرت یوسفؑ کا قصہ بھی اپنی ندرت و غرابت اور حوادث کے متعین طبعی اسباب،

---

[1] مصنف کے عربی مضمون "ثورۃ فی التفکیر" سے ماخوذ جو اس نے عربی کے نامور رسالہ "المسلمون" کے لئے لکھا تھا۔

[2] الاعراف ۱۳۷

قانون اور علت و معلول کے عام قانون کی کارفرمائی کے خلاف ایک تاریخی شہادت ہے، انھیں بھائیوں کے حسد اور فریب، کنویں کی اندھیاری میں ایک مدت تک قیام، قافلہ والوں کی غلامی سے سابقہ پڑا جس میں ہلاکت، تکلیف اور بے عزتی کا قوی اندیشہ تھا لیکن وہ ان سب سے صحیح سالم بچ نکلتے اور زندہ رہتے ہیں۔

انھیں عصمت و عفت، وفاداری اور شرافت کا ایک سخت امتحان دینا پڑتا ہے جس میں وہ قوی محرکات اور مہیجات، حسن و شباب، اور فریق ثانی کی طرف سے طلب و اصرار (جسے اقتدار بھی حاصل تھا، اور جس کا ان پر احسان بھی تھا) سے دوچار ہوتے اور سنگین الزام اور اخلاقی جرم میں اس زمانہ میں جیل میں داخل ہوتے ہیں، جبکہ وہ جرم کی علامت تھی اور جہاں اخلاقی مجرم ہی رکھے جاتے تھے، وہ قیاس آرائی اور شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کا پسندیدہ موضوع بھی بن جاتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب اپنے شہر سے دور اس جگہ ہوتا ہے، بلکہ ان کا اس قوم سے تعلق ہے، جس سے مصری شدید نفرت و حقارت کا برتاؤ کرتے تھے، اور اسرائیلی ہونے کے معنی تھے کہ عزت و اقتدار میں اس کا کوئی حصہ نہیں، ان پر ایک ایسی نسل سے ہونے کا جنم داغ ہے جس کے لئے غلامی مقدر ہو چکی ہے، یہ سب حادثات ان کی گمنامی و بدنامی، اور ہر عزت و اعتماد سے محرومی، اور مصری معاشرے کے کسی بھی معزز و محترم مقام (چہ جائیکہ حکومت و سیادت و منصب جلیل جس کے حقدار صرف شرفا ہی تھے) محرومی کا سبب ہو سکتے تھے، نہ کہ اس کے بعد وہ مصر کے بادشاہ بنتے اور ان کے فیصلے نافذ ہوتے اور لوگوں پر ان کا رعب و داب ہوتا لیکن اس کے برعکس لوگوں نے کھلی آنکھوں سے حضرت یوسف کو مصر کے تخت حکومت پر بیٹھتے اور اقتدار سنبھالتے دیکھا۔

وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ	اور اس طرح ہم نے زمین پر یوسف کے قدم جمائے کہ وہ جہاں چاہے رہ سکے ہم جسے چاہتے ہیں،

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔[1]

اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

قصّہ یوسف اور سیرتِ نبوی میں مماثلت

خاتم النبیینؐ اور قریش کے وہ افراد جو ان پر ایمان لائے اور جنھوں نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے تھے، وہ بھی ایسے ہی تاریک حالات و مشکلات سے دوچار تھے، اور انھیں بھی تعداد کی کمی، موقف کی کمزوری، اسباب کی نایابی، خاندان کی ملامت، اور قوم کی شدید مخالفت و مقاطعہ، گھراؤ، دباؤ اور راہِ خدا سے بندش، اور مومنین کی مظلومیت (جنھیں وہ بددین، اور احمق کہتے تھے) رسولؐ کے قتل کی سازش، مستقل خوف و خطرہ کا سامنا تھا جس کا قرآن سے زیادہ معنی خیز بیان اور اس سے بہتر تصویر کشی ممکن نہیں:۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ[2]

وہ وقت یاد کرو جب تم بہت تھوڑے اور زمین میں کمزور و ضعیف تھے اور تمھیں یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں کہیں اُچک نہ لیں۔

رسول اللہؐ کو مددِ غیبی اور عظیم مستقبل کی بشارت

ان تاریک حالات میں جو نہ کوئی امید بندھاتے اور نہ کسی مستقبل کی بشارت دیتے ہیں، اور نہ جن میں روشنی کی کوئی کرن ہی دکھائی دیتی ہے ____ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسولؐ سے حضرت یوسفؑ کا قصّہ بیان کیا، رسول اللہؐ کی سیرت قصّہ یوسفؑ سے بہت ہی مشابہ ہے قبیلۂ قریش

[1] یوسف ۵۶ [2] الانفال ۲۶

کے معاملات برادرانِ یوسف کے معاملات کے ہم شکل نظر آتے ہیں، یہاں بھی شروع میں حسد اور جنگ سے آغاز ہوتا ہے، اور آخر میں اس کی انتہا اعتراف، تعظیم، اور ندامت پر ہوتی ہے، ابتدا دوری اور قطع تعلق سے اور جور وستم سے ہوتی ہے، اور انتہا، تسلیم، اور التجائے رحم پر ہوتی ہے۔

حضرت یوسفؑ کے سلسلہ میں کنویں کی تاریکی اور ہجرت نبوی میں غار ثور کا مرحلہ اور ابن یعقوبؑ کی داستان میں قید و بند کا باب ابن عبدالمطلب کی سیرت کے شعب ابی طالب والے باب ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہیں۔

دونوں کے دشمنوں کی طرف سے یہ اعلان و اظہار یکساں ہے کہ:۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ۔[1]	بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم ہی خطاوار تھے۔

اور دونوں سرداروں نے قوم کو یکساں اور نرم و شریفانہ جواب ہی دیئے۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔[2]	آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب زیادہ رحم والا ہے

قرآن نے اس عظیم قصے کو اس طرح شروع کیا ہے:۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔[3]	ہم آپ سے ایک بہترین قصہ کہنے جا رہے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے، اور اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں تھے۔

اور قصہ کو ختم اس طرح کیا گیا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا	ان کے قصہ میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے یہ کوئی

---

[1] یوسف ۹۱ [2] ایضاً ۹۲ [3] یوسف ۳

مَاكَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَّلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[1]

گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ اپنے سے سابق قصہ کی تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور مومن قوم کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

اس طرح یہ سورہ مکہ کے بوجھل اور تاریک ماحول میں اتر کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عظیم و تابناک اور شاندار مستقبل کی بشارت ثابت ہوئی گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کا قصہ ہے، اور مخالف ماحول میں کنایہ، صراحت سے ہمیشہ بلیغ مانا گیا ہے۔

انبیار کی کامیابی امت کی کامیابی

پھر اللہ نے آنحضرتؐ سے حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کا قصہ بیان کیا ہے، جو قصہ سورۂ قصص میں آیا اس میں حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی چالوں سے آگاہی اور سلامتی اور رسالت عظمیٰ اور نبوت سے سرفرازی (جب کہ وہ صرف اپنی زوجہ کے تاپنے کے لئے آگ کی تلاش میں تھے) دشمن کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا بیان ہوا ہے یہ حضرت یوسفؑ کے قصہ سے اس کے سوا بالکل مشابہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کی نجات، ان کی کامیابی اور سیادت کا قصہ زائد طور پر بیان ہوا ہے۔

اس قصہ کا افتتاح ایک بڑی معرکہ آرا تمہید کے ساتھ ہوا ہے، جس میں قریشی مخالفین کے دل دہلا دینے اور اس کمزور مومن جماعت کے مستقبل کے تصور سے مرعوب کر دینے کے لئے کافی سامان ہے، جسے قریشی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اسے نگل جانے کی فکر میں تھے، فرمایا گیا۔

طٰسٓمٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

یہ کھلی کتاب کی آیتیں ہیں، ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا

---

[1] یوسف ۱۱۱

نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝[1]

ٹھیک ٹھیک قصہ مومن قوم کی خاطر بتاتے ہیں، فرعون نے زمین (مصر) میں بڑا بننے کی کوشش کی اور اس کے باشندوں کو تقسیم کردیا اور ایک طبقہ کو اس نے کمزور کرنا شروع کردیا، وہ ان کے لڑکوں کو قتل کردیتا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا، وہ مفسدوں میں سے تھا ہم خاص طور پر ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں کمزور بنا دیئے گئے ہیں اور انھیں امام اور وارث بنا دیا اور زمین پر ان کے قدم جما دینا چاہتے ہیں اور فرعون وہامان اور ان کے لاؤ لشکر کو جس انجام بد سے وہ ڈرتے تھے وہ دکھا دینا چاہتے ہیں۔

داعیوں اور مومن وصالح کام کرنے والوں کے لئے قوت واعتماد کا سرچشمہ

یہ بلیغ ومؤثر قصے قلب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقویت وتسلی کے لئے ہوتے تھے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى

اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم ہر وہ خبر آپ کو دیتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو تقویت دیں اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں حق اور مومنین کے لئے

---

[1] القصص ۱ تا ۶

لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔[1] نصیحت اور یاددہانی آچکی ہے۔

یہ سچے قصے داعیوں اور منہاج نبوت پر کام کرنے والوں، اور ایمان و عمل صالح اور تقوٰی کی طرف بلانے والوں، مصیبت پر صبر کرنے والوں، جہاد پر قائم رہنے والوں، اور اللہ کے راستہ میں جاگنے والوں کے لئے ہمیشہ قوت وثابت قدمی کا اور روشنی پیدا کرنے والی امید، فوز وفلاح اور مخالفوں کے مقابلہ پر فتح وظفر کے قوی یقین کا سرچشمہ وخزانہ رہے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے موسیٰؑ کے قصہ میں فرمایا ہے:۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى	اور بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا	نتیجہ میں آپ کے رب کی اچھی بات پوری ہوئی
مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ	اور جو فرعون اور اس کی قوم کر رہی تھی، اور جو وہ
وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ۔[2]	بیلیں چڑھاتے تھے اسے ہم نے نیست ونابود کردیا۔

اور یوسفؑ نے اللہ تعالےٰ کی عنایت کردہ نمایاں کامیابیوں کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ	کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر
اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ	احسان کیا جو بھی تقوٰی اور صبر اختیار کرتا ہے تو
اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔[3]	اللہ تعالےٰ نکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہ جان لینا چاہئے کہ یہ اللہ کی وہ سنت ہے جس میں کبھی استثنار نہیں ہوتا اور انبیاء کے منہاج وطریقہ پر دعوت اور کوشش، ایمان وعمل صالح، صبر وطاعت اور اچھی وپاکیزہ سیرت ایسا مبارک درخت ہے، جو خدا کے حکم سے ہمیشہ سدابہار اور ثمردار رہتا ہے اور ایک کمزور ترین فرد بھی ان صفات کے ذریعہ قوی ہوجاتا ہے اور کوئی بھی اقلیت اگر ان اخلاق فاضلہ

---

[1] ہود ۔ ۱۲۰ [2] الاعراف ۱۳۷ [3] یوسف ۔ ۹۰

کی حامل ہو تو وہ اکثریت ہے۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ[۱]	کتنی ہی چھوٹی جماعتیں، بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ[۲]	نہ ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو تمہیں سربلند ہوگے اگر تم مومن ہو۔

یہ قصے نسل در نسل قوت و عبرت کا سرچشمہ اپنے قوی ایمانی طرز اور اس کی دلیل ہونے کی وجہ سے بنے رہے کہ انبیار کی دعوت ہی کو فتح و ظفر ملتی ہے، اور اللہ کی پسندیدہ سیرت و صفات ہی کے ساتھ فوز و فلاح وابستہ ہیں، خواہ اس کے اسباب کتنے ہی مخالف، اس کی مخالف قوتیں کتنی ہی نبرد آزما اور مادی طور پر اس دعوت کے حامل کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ[۳]	تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں نشانی تھی ایک جماعت تو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہی تھی اور دوسری کافر تھی اور وہ مسلمانوں کو چشم دید طور پر اپنے سے دوگنا دیکھ رہی تھی اور اللہ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے اس میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

انبیار کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت و تباہی

انبیار کی سیرت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کبھی تفصیل اور کبھی اجمال کے ساتھ

---

[۱] البقرہ ۲۴۹ [۲] آل عمران ۱۳۹ [۳] ایضاً ۱۳

بیان کیا ہے، اور بہ تکرار اس کا ذکر کیا ہے، اس کے درمیان ایک ایسا متفقہ نقطہ پایا جاتا ہے جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا، اور وہ ہے ان کا تمام رکاوٹوں کے باوجود کامیاب اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامراں ہونا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں، یا تو یہ مخالفین ایمان لے آتے اور ان کی دعوت قبول کر لیتے، اور اس کے مخلص فدائی بن جاتے ہیں، یا پھر ہلاک اور تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ	پھر کٹ گئی جڑ ظالموں کی اور سب تعریف
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔[1]	اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں

جو دعوت، انسانیت کی سعادت و نجات کا مدار ہے، اس کی عند اللہ یہ قیمت ہے کہ اس کے لئے نوامیس فطرت اور قوانین قدرت بھی توڑ دیئے جاتے ہیں، اور اس کے لئے وہ کچھ کیا جاتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور فردی یا اجتماعی مصلحتیں یا سیادت و غلبہ کی خواہش اور وہ بے معنی قیادتیں جو نہ خیر کو اٹھاتیں اور نہ شر کو گراتی ہیں، اور ان سے اسلام و انسانیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ان کا شر و فساد اور کفر و فسق کی طاقتوں سے کوئی جھگڑا نہیں ان کی ساری دوڑ دھوپ اور لڑائی اس کے لئے ہوتی ہے کہ ہونے والے تمام گناہ اور فساد ان کی نگرانی، سرپرستی اور ان کے سایۂ اقتدار میں ہوں جن کا فائدہ انھیں پہنچے تو ایسی انفرادی و اجتماعی کوششوں کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت اور مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں، اور اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں مرتی اور کون سا دشمن ان پر غلبہ پاتا ہے اور ان کا خاتمہ کب ہوتا ہے۔

---

[1] الانعام ۴۵

ایسی ہی کوششوں کے مقابلے میں سرکش وجابر اور بے رحم بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوتی اور ایسے مشکلات و مسائل سامنے آجاتے ہیں، جن کی ابتدا وانتہا معلوم نہیں ہوتی۔

ایک پھیلا ہوا غلط خیال

آج مسلم قوموں اور عالم اسلامی میں یہ خیال مقبول ومروج ہے اور اس پر سب کا ایمان راسخ ہے کہ سیرت واخلاق کے مقابلے میں مادی طاقت ہی فیصلہ کن میزان اور معیار ہے بہت سے اچھے اچھے دینداروں حتیٰ کہ دین کے داعیوں کا بھی یہ نعرہ ہوگیا ہے کہ "مادی طاقت سب سے پہلے"!

یہی وہ طریقۂ فکر ہے، جس کا ابطال وتردید انبیاء ومرسلین کی سیرت، ان کے ساتھ پیش آنے والے حوادث اور ان کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے عجائب ومعجزات، ان پر نصرت وفتح کے انعام اور ان کے دشمنوں سے انتقام میں موجود ہے۔

یہاں ایک بار پھر اپنے رسالہ "ثورۃ فی التفکیر" سے ایک اقتباس مستعار لیتا ہوں۔

"ایک طویل مدت سے ہم اپنی ذات، اپنی قیمت وحیثیت کو (دنیا کے نقشہ میں) مادی "طاقت" "صلاحیت" "وسائل" "خام مواد" "ملکی پیداوار" "عددی طاقت" "جنگی پوزیشن" سے تولنے اور ناپنے کے عادی ہوگئے ہیں، اور ہم کہیں اپنا پلڑا بھاری اور کہیں ہلکا پاتے ہیں، اور اس سے خوش یا افسردہ ہوتے ہیں۔

ایک عرصے سے مغرب کی قیادت وسیادت پر ہمارا ایمان سا ہوگیا ہے،

اور گویا ہم نے مان لیا ہے کہ یہ تقدیر مبرم، امر محکم اور اٹل قانون ہے جس میں
کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آسکتا اور اس طرح وہ قدیم شل پھر زندہ ہو گئی کہ
"اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی اس کو باور نہ کرنا۔"
ہم اب مغربی اقتدار اور مغرب کی قائدانہ صلاحیت کو چیلنج کرنے کے
بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں، اور اگر کبھی "علم و تحقیق" سے آنکھ بچا کر اور عقل و
فہم کو نظرانداز کر کے سوچتے بھی ہیں تو ہم اپنے وسائل و امکانات، جنگی طاقت،
اسلحہ کی پیداوار اور ایٹمی طاقت کی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہم کو ناامیدی
اور بدفالی گھیر لیتی ہے، اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم محکومی و غلامی زندگی
کے دھارے سے دور رہنے، مغرب کا دست نگر، اور دو بڑی طاقتوں میں
سے کسی ایک سے وابستہ رہنے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔[1]

ایمان و اطاعت، مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی

لیکن اللہ نے قرآن میں انبیاءؑ کی سیرت اور ان کے دشمنوں کا جو انجام بتایا اور
جس کی ہم نے اپنے مقالے میں کچھ درخشندہ مثالیں پیش کی ہیں، وہ اس انداز فکر سے پوری
طرح ٹکراتی ہیں، اور ہم پر یہ واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کی کامیابی کا راز اور جن کامیاب ہتھیاروں
سے انھوں نے اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کی چھوٹی سی کمزور جماعت کامیاب اور دنیا
کی امامت و ہدایت کے منصب پر فائز ہو گئی وہ "ایمان" "اطاعت" "دعوت الی اللہ"
تھی :-

---

[1] ثورة في التفكير ۲۰۲

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۔[1]

اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے یہ ان کے صبر اور ہماری آیتوں پر یقین کے سبب ہوا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۔[2]

اور ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر میں بساؤ اور اپنے گھروں کو مسجدوں کی شکل دو۔ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو بشارت دیدیجئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۔[3]

اے وہ جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۔[4]

تو کمزور نہ پڑو اور امن کی طرف بلاؤ تمہیں غالب رہوگے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں کٹوتی نہیں کرے گا۔

امت مسلمہ کا مستقبل انبیاء کی سیرت سے وابستہ

ان سچے حکیمانہ قصوں کا یہی پیغام اور سبق ہے جو ہمیں انبیاء کی زندگی اور ان کی پاکیزہ سیرت سے ملتا ہے۔... یہی وہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے جس پر بلا استثناء تمام

۱؎ الم سجدہ ۲۴ ۲؎ یونس ۸۷ ۳؎ سورہ محمد ۷

۴؎ ایضاً ۳۵

انبیاءؑ چلتے رہے اور قرآن نے جس کے نقوش محفوظ رکھے ہیں، ... کمزور قوموں کے لئے اگر کوئی امید کا راستہ ہو سکتا ہے تو یہی ہو سکتا ہے، اور صاحب دعوت وعقیدہ قوموں کا مستقبل اسی طور طریق سے وابستہ ہے، اور اللہ ہی حق کہتا اور وہی راستہ دکھاتا ہے۔

پانچواں خطبہ

رسالتِ محمدی کی عظمت

عصرِ جاہلی کا المیہ

اس جاہلی عصر کا المیہ ـــــ جس کے انحطاط و زوال پر مورخین کا اتفاق ہے ـــــ کفر و فجور، معاصی اور گناہ، ظلم و سرکشی، انسان کی حیثیت عرفی کا ازالہ اور اس کے حقوق کی پامالی، جابر حکومتوں اور ظالم بادشاہوں کا غلبہ نہ تھا...... اسی طرح یہ المیہ خدا کی عبادت کرنے والے صالح بندوں کی کمی اور ان کی کمزوری بھی نہ تھی، اگرچہ یہ سب چیزیں قابلِ افسوس ہیں، لیکن یہ سب انسانیت کی طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا، اور اس کے خلاف دعوت و اصلاح کے مردِ میداں، بیدار ضمیر اور قوی عزائم والے افراد اپنے اپنے زمانوں میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

دراصل جاہلیت کا وہ المیہ جس کے نتائج بد سے انسانیت کو نجات دینے اور انسان کی حیثیت عرفی بحال کرنے کے لئے بعثت محمدی ہوئی، وہ المیہ یہ تھا کہ علم صحیح نیک ارادے

اور حق کے لیے سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے پنجہ آزمائی کرنے والی جماعت اس وقت کی وسیع دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی یہ المیہ اس حقانی گروہ کی نایابی کا تھا جو شر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر خیر کی بنیادوں پر ایک عالم نو کی تعمیر کر سکے۔

علم صحیح کا فقدان

عصر جاہلیت میں وہ علم صحیح گم ہو گیا تھا جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اچھی طرح پہچانتا اور اس تک پہنچتا ہے، اور جس کے ذریعہ صحیح، خالص، اور پسندیدہ عبادت کر سکتا ہے، ایسے زمانے میں اگر صحیح اور قوی ارادہ اور طلب صادق کسی شخص میں پائے بھی جائیں، تو اس کے لیے ماحول کی خرابی کے سبب کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے ایسے زمانے میں جو علم بھی پایا جاتا ہے، وہ جہالت و خرافات کی آمیزش لیے ہوئے اور اپنی اصل سے ہٹا ہوتا ہے، اس میں صحت کم، غلطی زیادہ، نفع تھوڑا اور نقصان بہت ہوتا ہے۔

قوی ارادۂ خیر کی کمی

اور اگر یہ علم صحیح اپنی کمیابی کے باوجود کسی عالم کے سینے یا کسی حکیم کے سفینے میں یا قدیم زمانے میں نازل شدہ کسی علم کی باقیات کے طور پر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو اپنے حق میں وہ ارادۂ خیر نہیں پاتا جو اسے اس کی جگہ سے چن لے اور اسے متاع جان بنالے اور اس کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات، اور معاشرے کا مقابلہ کر سکے۔

چنانچہ اس عہد میں خدا طلبی اور تلاش حق کا جذبہ مفقود ہو گیا تھا، قوتیں اور عزیمتیں اس کی طلب کے سلسلے میں درماندہ ہو چکی تھیں، وہ طلب معاش، ہوس رانی، نفس کے مطالبات کی

تکمیل، بادشاہوں کی اندھی اطاعت اور ان کے لیے جاں سپاری میں لگ گئی تھیں، محبت کے شعلے بجھ چکے تھے، دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ گئی تھیں، اور ان پر حُبِّ دنیا کی برف جم گئی تھی، دین کے مظاہر و آثار میں سے صرف خرافاتی تبت پرستی اور سطحی قسم کے رسم و رواج باقی رہ گئے تھے۔

حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان

اگر بفرضِ محال ایسے ماحول میں کہیں علمِ صحیح اور ارادۂ خیر کا وجود بھی تھا تو کوئی ایسی پشت پناہ جماعت اور طاقت نہ تھی جس کا وہ سہارا لیتے اور کمزور پڑنے پر اس سے طاقت حاصل کرتے، چنانچہ یہ دونوں چیزیں انفرادی کوششوں اور شخصی اصلاحات ہی میں ضائع ہوگئیں، اور یہ افراد ـــــــ جو کلیساؤں، مندروں، یا غاروں اور پہاڑ کی چوٹیوں میں گوشہ گیر تھے ـــــــ ایسے چراغ کی مانند تھے جس کا فتیلہ جل چکا، جس کا تیل ختم ہو چکا اور اس کا نور ہلکا پڑ چکا ہو، ان کی مثال ایسے جگنوؤں کی تھی، جو سرما کی بارش زدہ اور تاریک راتوں میں اِدھر اُدھر اڑتے اور چمکتے ہیں، لیکن ان سے نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر راستہ پا سکتا ہے، اور نہ کوئی سردی سے کپکپایا ہوا غریب گرمی پا سکتا ہے۔

ایک آفتابِ تازہ کی ضرورت

وہ علمِ صحیح جو لوگوں کو اس کائنات کے خالق و مالک کی ذات و صفات و برگزیدہ ناموں کی صحیح پہچان عطا کرے، انھیں اس سے ایک مضبوط اور نئے رشتے میں جوڑ دے، عقلوں اور دماغوں کو نئے ایمان و یقین سے بھر دے، دلوں کو محبت سے پُر کر دے، غلو کرنے والوں کی

تحریف، اور باطل پسندوں کے غلط الحاق وانتساب کو دور کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اُجالے اور شک سے یقین تک پہنچا دے، وہ علم صرف نبوت محمدی کی شکل میں ۔۔۔۔۔۔۔ دنیا کو ملا ۔۔۔ وہی ان اوہام وخیالات اور مغالطوں کا پردہ چاک کر سکتا تھا جن میں دنیا کی بت پرست، اور خدا نا آشنا قومیں عرصہ سے مبتلا تھیں، وہی یہود ونصاریٰ، اور اہل کتاب کا صحیح احتساب کر سکتا تھا، اور ان میں اگر خوف خدا اور انصاف ہوتا تو وہ اعتراف کرتے کہ ستارے ماند پڑ چکے، بطن گیتی سے آفتاب تازہ پیدا ہو چکا ہے، اور صبح کی روشنی چراغوں سے بے نیاز کر چکی ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ [1]	اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل یعنی اللہ کی طرف سے رسول نہ آجاتا جو پاکیزہ اوراق کی تلاوت کرتا جن میں قیمتی کتابیں ہیں!

فلسفہ اور شرک کی ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کیلئے سازش

ارادۂ خیر ہمیشہ علم صحیح اور ایمان قوی کے تابع ہوتا ہے، جب انسان چند حقائق پر ایمان لاتا اور منافع اور مضرتوں کو سمجھتا ہے، اور اس میں امید وبیم، خوف وطمع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو اس کے ارادے بھی اس کا ساتھ دیتے اور اس کے اعضا بھی مدد کرتے ہیں، لیکن عصر جاہلی میں ایمان قوی مفقود ہو گیا اور انسان خدا کے اور جنت ودوزخ کے وجود اور آخرت اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے عقیدہ سے محروم ہو گیا تھا فلسفہ وشرک نے بھی اس ایمان اور خدا و بندہ کے باہمی ربط کو کمزور کرنے میں خاصا حصہ لیا، فلسفہ نے صفات کی نفی، بیا غلو سے کام لیا،

---

[1] البینۃ ۱/۲/۳

اور شرک نے ان صفات میں مخلوق کو شامل کر دیا، اس طرح دونوں نے عبد و معبود کے رابطہ کو نقصان پہونچایا، چنانچہ جس شخص کا تعلق فلسفہ سے ہوا، اسے صفاتِ قدرت و حکمت اور رحمت و محبت سے مجرد خدا سے رجوع کرنے اور اس سے ڈرنے یا اس سے پر امید ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی اور جو شرک میں مبتلا ہوا وہ مخلوقات ہی سے التجا و التماس میں مشغول رہا اور اسے آنکھوں سے غائب مگر بندوں کے معاملات میں دخیل خدا سے التجا کی نہ ضرورت پیش آتی تھی، اور نہ اس کی فرصت ملتی تھی۔

اس طرح دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہو گئی تھی، ایک کیمپ تو اپنے اندر آخرت کے لئے کسی کوشش کا کوئی داعیہ اور جذبہ نہیں پاتا تھا، اور دوسرے کیمپ کو رب الارباب سے سوال کی فرصت ہی میسر نہیں، ان دونوں نظریات نے جاہلیت کی پوری دنیا اور طویل عہد کو خدا سے کاٹ کر رکھ دیا، اور انسانی دل کے اندر محبت اور خدا طلبی کا شعلۂ فروزاں بجھ کر رہ گیا، اسی طرح انسانی فطرت میں ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں اور قوتیں جمود و خمود، شرک و خرافات، نفس اور بادشاہوں کی غلامی، طاغوت اور شیطان کے فریب کا شکار ہو گئیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام انسانی دنیا ان اصنام اور معبودوں کی عبادت میں مبتلا تھی جنھیں اس کے تخیل نے جنم دیا تھا، یا جو موروثی طور پر رسم و رواج کا جز بن چکے تھے یا ان مقاصد، نصب العین اور اقدار حیات کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی جنھیں اس نے خود ہی گڑھا اور اپنے لئے لازم کر لیا تھا اور ان سب پر حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول صادق آگیا تھا۔

أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ[1] — کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنھیں تم اپنے ہی ہاتھوں سے گڑھتے ہو؟

---

[1] الصافات ۹۵

جاہلی ماحول میں تبدیلی نبی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے

قوت قدسیہ کے مؤیّد من اللہ انسان کے سوا کسی کے لئے صدیوں سے گم شدہ ایمان کو دلوں میں پھر سے تازہ کرنا اور ایک نئی لگن اور عشق پیدا کر دینا ممکن نہ تھا، اور نہ یہی ممکن تھا کہ اس کے قوی ارادوں کو پر فریب اور لذیذ دنیوی زندگی کی طلب اور نفس کے عزیز و لذیذ تقاضوں کی تکمیل سے باز رکھا جا سکے، اور انھیں عظیم الشان بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹا کر ان دیکھے خدا کی طلب پر مائل اور اسے خدا کی مرضی پر راضی اور اس کے راستہ میں جان و مال اور ہر عزیز شے کی ثواب آخرت کی امید پر قربانی کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

اس اہم کام بلکہ کارنامے کے لئے تو اس آہنی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے جسے سر بفلک پہاڑ بھی نہ ہلا سکیں، اور جسے جن و انس کی مجموعی مخالفت بھی نہ کمزور کر سکے اسی حقیقت کی ترجمانی زبان نبوت سے نکلے ہوئے اس فقرہ نے کی تھی۔

لو وضعت الشمس فی یمینی والقمر فی یساری ما ترکت هذا الامر حتی یظهره الله او أهلك فی طلبه[1]۔

اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند بھی رکھدیں تو میں تبلیغ کے اس کام کو ترک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس کی طلب میں ہلاک ہو جاؤں[1]

اس کام کے لئے اس قوی ایمان کی ضرورت تھی جو اگر تمام دنیا اور دنیا والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے اور سب کے شک کو یقین، اور ضعف کو قوت سے بدل دے، وہ ایمان، صاحب ایمان کی زبان سے اس وقت بھی بولتا ہے، جب زبانیں گنگ

---

[1] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ایک ٹکڑا تفصیل کے لئے ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ۳/۴۲ دیکھی جائے۔

ہوجاتی اور نگاہیں چوندھیا جاتی ہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر جانی دشمن کھڑے ہیں، مگر نبیؐ اپنے ساتھی کو تسلی دے رہا ہے۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔[۱] — غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

نبیؐ کی نگاہیں بُعدِ مکانی و زمانی اور مختلف پردوں کے حائل ہونے کے باوجود عرب کے ایک فقیر بدوی سراقہ کے ہاتھوں میں شہنشاہِ ایران کسریٰ کے کنگن اور بھوک کی شدت اور محاصرے کی طوالت کے باوجود خندق کے ایک پتھر کی چنگاری میں قیصر روم کا سفید محل دیکھ لیتی ہیں سفر ہجرت کے موقع پر سراقہ بن جعشم جب تعاقب کرتا ہوا پہنچا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے فرمایا سراقہ وہ کیا وقت ہوگا جب شاہ ایران کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے، مدائن فتح ہونے پر کسریٰ کے جب طلائی کنگن مال غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو پہنایا اور ناقابل قیاس پیشینگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اسی طرح غزوۂ خندق میں جب آپ نے ایک پتھر پر کدال ماری اس سے ایک شعلہ سا نکلا تو آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں میں نے قیصر کا سفید محل دیکھا نبوت کی یہ دوربینی بھی حرف بہ حرف ثابت ہوئی اور مسلمان قیصر کے محل پر قابض ہوئے۔[۲]

عالمگیر جاہلیت کا خاتمہ اور اس کی جگہ زندگی و یقین، اور دینی جوش کا اعادہ ایسے ہی طاقتور اور پیغمبرانہ ایمان کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، اور انسان کے حق میں خدا کی رحمت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ — وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اللہ کی آیات سناتا،

---

[۱] توبہ ۴۰ [۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتب حدیث و سیرت۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۔[۱]

ان کی سیرت کو سدھارتا، اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۔[۲]

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے وہ تمام دینوں پر غالب کرے خواہ اسے مشرکین کتنا ہی ناپسند کریں۔

دائمی اصلاح وجد وجہد والی قوم کی ضرورت

جاہلیت کا یہ فساد چند مصلح افراد یا کسی مضبوط جماعت، یا کسی بڑے ادارے کے بس سے باہر تھا اس لئے کہ یہ فساد اپنی آخری شکل کو پہنچ گیا اور ناقابل علاج بن چکا تھا، اس کے لئے ایک مستقل امت کی ضرورت تھی جو اس کے لئے متحدہ اور مسلسل جد وجہد کرتی رہے اور خدا کی زمین میں پھیل کر باطل جہاں کہیں ہو اس کا مقابلہ کرے شر کی طاقت جہاں کہیں ہو اسے اکھاڑ پھینکے اور خدا کی سرزمین کو عدل و انصاف سے بھر دے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے بھری جا چکی تھی اس طرح دنیا کو ایک پیغمبر اولو العزم کی ضرورت تھی جس کی امت ایک عظیم امت ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۔[۳]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

---

[۱] الجمعہ ۲   [۲] الصف ۹   [۳] آل عمران ۱۱۰

صاحبو! محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ٹھیک اس وقت ہوئی جب انسانیت اس کے لئے اسی طرح چشم براہ اور گوش بر آواز تھی جیسے گرمی سے جھلسی ہوئی فضا اور تپتی ہوئی زمین موسم کی پہلی بارش کے لئے ہوتی ہے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ[۱]

اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی نمو پذیر ہوتی اور ہر قسم کے دلفریب پھل پھول اگانے لگتی ہے، یہ ثبوت ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور وہی مردے کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے۔

بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر

"یکایک اس مردہ انسانی جسم میں ـــــ جسے نسل انسانی کہا جاتا ہے ـــــ روح حیات دوڑنے لگتی ہے اور اچانک یہ مردہ انگڑائی لینے لگتا ہے، جو سڑنے گلنے کے قریب ہوگیا تھا اس حقیقت کو مؤرخین اپنی محدود زبان میں ایوان کسریٰ کے لرزنے اور آتش فارس کے بجھنے سے تعبیر کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ پختہ اور مضبوط عمارتیں اور فلک بوس محلات زمین کے زلزلے کی ایک حرکت سے خزاں زدہ پتوں کی طرح زمین پر آرہتے ہیں، تو قیصر و کسریٰ کے نظام اور فراعنۂ عصر کے کارنامے نبی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں صبح سعادت کے طلوع سے کیوں زوال پذیر نہیں ہو سکتے؟"[۲]

۱۔ الحج ۵/۶ ۲۔ مقتل الانسانیۃ از مؤلف ص ۳۱۲

ایک نئی دنیا کا ظہور

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت صرف ایک نبی کی یا صرف ایک امت کی، یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولت ظہور میں آئی اور آپؐ کی یہ دنیا تا قیام قیامت باقی رہے گی، جب میراث عالم کا آخری وارث خدائے تعالےٰ ہوگا۔

آپؐ کی بعثت مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپّے چپّے پر موجود اور اس کے ذرّے ذرّے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، اور دنیا اپنے عقیدے، انداز فکر، تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت علم و ثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں، اور اگر وہ اس سے الگ کر دیئے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمائے اور اثاثہ سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی کے لئے بھی بعثت محمدیؐ کی ممنون ہے اس لئے کہ اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی مار اور اللہ کی لعنت اور بدبختی سے اسے بچا لیا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی، دنیا بعثت محمدیؐ سے پہلے اس کی بالکل سزاوار تھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد کھود ڈالی جائے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ	لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی اور تری میں
أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي	فساد پھیل گیا تاکہ وہ انھیں ان کے کئے کا کچھ مزہ
عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝[1]	چکھائے شاید وہ اپنے کئے سے باز آئیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلے میں آیا ہے۔

---

[1] سورۃ الروم ۴۱

ان اللّٰہ نظر الی اھل الارض	اللہ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور عرب و
فمقتھم عربھم وعجمھم	عجم دونوں کو ناپسند کیا سوا تھوڑے سے
الا بقایا من اھل الکتاب۔	اہل کتاب کے۔

عصر جاہلی کی تصویر

خدا نے جو خبیر و علیم بھی تھا زمین پر کیا دیکھا؟ اس نے یا تو کسی کو بت کے آگے سجدہ ریز دیکھا یا کسی کو پیٹ کا پجاری یا کسی کو سلطان اور شیطان کا بندہ پایا جہاں تک دین خالص، طلب صادق، علم صحیح اور عمل صالح، اللہ سے رجوع، آخرت کی سعی کا سوال تھا تو یہ چیزیں نایاب اور کیمیا کی طرح عزیز الوجود ہو گئی تھیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس دور جاہلیت کی جو تصویر پیش کی ہے، میں نے اس سے بہتر تصویر کسی مصنف کے قلم سے نہیں دیکھی، فرماتے ہیں:۔

"صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے، اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان آرائش میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کر لی تھی، اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہو گئے تھے، جو اس سامان آرائش اور راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے، اور نئی نئی تراش، خراش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہو جاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا

زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ امرا میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا
اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات
خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و
پوشاک میں تجمل نہ ہوتا، تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت
طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس
کر سکتے ہو[1]، یہ تمام تکلفات، ان کی زندگی اور معاشرت کا جزء بن گئے تھے، اور ان کے
دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے
ایک ایسا لا علاج مرض پیدا ہوگیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے
پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی، جس سے عام و
خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر یہ پُر تکلف
اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو چکی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور
اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات
بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقمیں، اور بے پایاں
دولت کاشتکاروں، تاجروں، اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس
بڑھانے، اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات
کے ادا کرنے سے انکار کرتے، تو ان سے جنگ کی جاتی، اور ان کو سزائیں دی جاتیں اور
اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آبپاشی، اور
کاشتکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور

---

[1] شاہان دہلی اور مغل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

محنت ومشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی، اس پرمشقت اور حیوانی زندگی
کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اخروی کا خیال بھی کرنے کا
موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، ایسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی
ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔[۱]

نیا عالمی رجحان

بعثت محمدی نے اس جاہلی ماحول کو یکسر بدل دیا اور متمدن دنیا میں ایمان و خدا طلبی
جہاد و سعی آخرت، انسانیت کو اس کے دشمنوں سے بچانے، قوموں کو زوال کے بعد عروج،
اور لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں اور دنیا کی تنگنائے سے آخرت کی
وسعت بیکراں، اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کی طاقتیں اٹھ کھڑی
ہوئیں اور اس مقصد عظیم کی طرف اہل عزیمت افراد کی ہمتیں، اصحاب صلاحیت کی صلاحیتیں
اذکیار کی ذہانتیں، ادیبوں کا علم و فضل، اور شعرار کے ذوق و وجدان، سورماؤں کی تلواریں
اہل علم کے قلم، ممتاز افراد کی عبقریتیں، متوجہ ہوگئیں اور اس دنیا میں جو صرف ایک قسم اور
ایک طرز کی نفس کی غلام، شہوت کی اسیر، اور ہوس کی پرستار انسانیت ہی کو جانتی تھی، اب
ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے مخلص بندے، ربانی و حقانی علمار، عادل حکمراں، زاہد بادشاہ
مجاہد مرد اتنی کثرت سے پائے جانے لگے کہ شاید ریت کے ذروں اور صحرا کی کنکریوں سے بھی
ان کی تعداد ـــــ بڑھ گئی، ان پر خدا کو فخر تھا، اور تاریخ ان کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی
ان کے آگے سرنگوں تھے، اور بالآخر صحیح اور مفید علم، اور صالح اور برگزیدہ عمل، خیر پسندی کا

---

[۱] حجۃ اللہ البالغۃ۔ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم۔

قومی جذبہ، اور مومن و مجاہد جماعت کے افراد ہر طرف پھیل گئے، جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے، اللہ پر ایمان لاتے اور اس کے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلے میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے اور اس طرح جہاد و اصلاح، دعوت و ارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں۔

لا تزال طائفة من امتی ظاهرين علی الحق لا يضرهم من خذلهم حتی يأتی أمر الله[1]	میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہیگا اور انکا مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

امت محمدی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزۂ عظیم ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "الجواب الصحیح" میں بعثت محمدیؐ کے لائے ہوئے انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق، اقوال و افعال، اور ان کی شریعت خدا کی آیات میں سے ہے، اور ان کی امت، اور امت کا علم و دین اور اس امت کے صالحین کی کرامات بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

رسول اکرمؐ، اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے، اور اس میں پوری صداقت، عدل، اور وفاداری برتتے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم، کسی سے بے وفائی، ثابت نہیں بلکہ آپؐ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتدال پسند، اور وفا شعار تھے، اگرچہ آپؐ جنگ و صلح، امن و خوف، فقر و خوشحالی، قلت و کثرت، کامیابی و ناکامی کے مختلف حالات سے برابر گزرتے رہے، لیکن ان تمام حالات میں اچھے اور پسندیدہ راستے سے آپؐ کبھی نہیں ہٹے، حتی کہ دعوت اسلام عرب کی اس سرزمین میں

---

[1] صحیح مسلم ص۱۴۳ ج ۲

پھیل گئی جو اس سے پہلے بت پرستی، کواکب پرستی، کفر و شرک، قتل و سفاکی، قطع رحمی سے بھری تھی، اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جانتے تک نہ تھے اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے، انصاف اور فضیلت والے بن گئے، حتی کہ شام کے نصاریٰ بھی ان کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ "مسیحؑ کے ساتھی اور حواری ان سے بہتر نہ تھے اور روئے زمین پر آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علم و عمل کے آثار پھیلے ہوئے ہیں، اور اہل فہم دونوں کا فرق کھلے طور پر محسوس کرتے ہیں" اسی طرح آپؐ کی امت تمام امتوں سے ہر معاملہ میں برتر و بہتر ہے، اگر ان کے علم کا مقابلہ دوسری قوموں کے علم سے، اور ان کے دین اور طاعت و عبادت کا دوسروں کے دین، طاعت و عبادت سے — کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم و عبادت میں دوسروں سے بہت آگے ہیں، اور اگر ان کی شجاعت اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے لئے مصائب کی برداشت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں، اور اگر ان کی سخاوت و فیاضی اور دوسروں کے لئے ایثار و خوش اخلاقی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فیاض و شریف ہیں، اور یہ تمام فضائل اخلاق اس امت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہوئے تھے، اور آپؐ ہی نے ان باتوں کی تعلیم و تلقین کی تھی۔

آپؐ کی امت کے افراد کسی کتاب کے متبع نہیں تھے جس کی تکمیل کے لئے آپؐ آئے ہوں جیسا کہ مسیحؑ شریعت توراۃ کی تکمیل کے لئے آئے تھے، اور مسیحی لوگوں کے فضائل اخلاق، اور ان کے علوم و فنون کا کچھ حصہ توراۃ سے، کچھ زبور سے، کچھ دوسرے انبیاء کی تعلیمات سے، کچھ حضرت مسیحؑ سے اور کچھ آپؑ کے بعد کے لوگوں جیسے حواریوں

اوران کے حواریوں سے ماخوذ ہیں، اس کے علاوہ انھوں نے فلاسفہ وغیرہ کے کلام سے بھی مدد لی اور دین مسیحی میں تبدیلی کے وقت اس میں ایسے امور داخل کرلئے جو مسیحیت کی ضد اور کفر سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے آنے سے پہلے کسی کتاب سے واقف نہ تھی، بلکہ ان کی بڑی تعداد موسیٰ وعیسیٰ وداؤد علیہم السلام اور توریت و انجیل وزبور پر ایمان بھی آپ ہی کے کہنے سے لائی آپ ہی نے انھیں حکم دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہر کتاب کا اقرار کریں، اور کسی رسول کے خلاف تفریق وامتیاز نہ برتیں، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:—

"وَقُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ"[1]

---

[1] "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" سے ماخوذ ہے۔ ج ۲ ص۸۵

چھٹا خطبہ

نبوت محمدی کا کارنامہ[1]

انسان کی اہمیت

دنیا کا مقدر انسان کے مقدر سے برابر وابستہ رہا ہے اور رہے گا، اس کی سعادت و شقاوت، بلند اقبالی اور نحوست کا تعلق انسان ہی کی ذات سے رہا ہے، چنانچہ اگر حقیقی انسان کا وجود رہے، اور دنیا کی ہر قابل فخر چیز مال و دولت، اور زیب و زینت ختم ہو جائے تب بھی کوئی ایسی بڑی مصیبت نہیں آجائے گی اور نہ دنیا کا کوئی بہت بڑا خسارہ ہو جائے گا بلکہ حقیقی انسان کا وجود ہر گم شدہ چیز کا نعم البدل، ہر محرومی کی تلافی، اور ہر بیچارگی کا درماں ثابت ہوگا، اور انسان اپنے نشاطِ کار، جوش عمل، قوت کارکردگی اور محنت و ہمت سے دنیا کو وہ تمام چیزیں دوبارہ مہیا کر دے گا، جو دنیا نے کھو دی ہوں گی اور صرف یہی نہیں بلکہ پہلے سے بہتر اور بڑھ کر فراہم کر دے گا، اور اگر دنیا یا دنیا کے کسی ذمہ دار کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انسان بغیر دنیا یا دنیا بغیر انسان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے (اور وہ اس انتخاب میں عقل سلیم اور خدا کی دی ہوئی قوت تمیز سے کام لے) تو اس کا انتخاب یقیناً انسان ہی ہوگا، اور اس میں اسے

---

[1] عربی سے ترجمہ کیا گیا ہے

کسی تردد و تذبذب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس لئے کہ دنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کی عزت و قدر و قیمت اسی کے سبب سے ہے۔

اس دنیا کی بدبختی و بدنصیبی آلات و وسائل و رساز و سامان کا فقدان نہیں، بلکہ ان آلات و وسائل کا غلط اور بے محل استعمال ہے، اس دنیا کی طویل اور حادثات سے بھری ہوئی تاریخ میں دنیا کو جو کچھ مصیبت پیش آئی اس کا سبب انسان کی گمراہی، راہ راست اور اپنی فطرتِ سلیمہ سے انحراف ہے ——— وسائل و ذرائع تو انسان کے لئے ہاتھ میں خاموش اور معصوم آلات ہیں، جو اس کا حکم مانتے اور اس کی مرضی پوری کرتے ہیں، ان آلات کا اگر کوئی قصور ہو سکتا ہے، تو یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں سرعت و تندی اور اس کی کمیت و کیفیت میں وسعت پیدا کر دیتے ہیں۔

انسانی فطرت کے اسرار و عجائبات

یہ وسیع کائنات اسرار و رموز اور عجائب و غرائب سے اس طرح بھری ہوئی ہے کہ اس کا حسن و جمال عقلوں کو مبہوت بنا دیتا اور دہشت و حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

لیکن اگر انسانی فطرت کے اسرار و عجائب، اس کے امکانات اور مخفی صلاحیتوں، قلب انسانی کی گہرائی اور گیرائی، فکر انسانی کی بلند پروازی اور ذہنی افق کی وسعت، روح انسانی کے سوز و گداز، اس کی لامتناہی امیدوں اور آرزوں، اس کی بلند ہمتی و عالی نظری (جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو فتوحات، لذتوں اور مسرتوں، ملک و حکومت اور خوشحالی و آسودگی کی کسی مقدار پر قانع نہیں ہوتی) اس کی تنوع اور تناقض، بے شمار اور لامحدود صلاحیتوں کا دنیا کے اسرار و عجائب سے مقابلہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے سمندر کے آگے

ایک قطرہ یا صحرا کے مقابل ایک ذرہ کی طرح معلوم ہوگی اور اپنی پوری وسعت کے ساتھ قلب انسانی کی وسعت اور گہرائی میں اس طرح گم ہو جائے گی جیسے ایک چھوٹی سی کنکری ایک بحر بیکراں میں گم ہو جاتی ہے، اس کے مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے آگے پہاڑ ہیچ ہو جائیں اس کی محبت کے بھڑکتے ہوئے جذبات کے تند شعلوں کے سامنے آگ سرد اور خاکستر نظر آئے اور خوفِ خدا یا کسی ناتواں پر ترس کھانے یا گناہوں سے ندامت پر نکلے ہوئے، آنسو کے ایک قطرہ کو دیکھ کر سمندر پانی پانی ہو جائے اور اپنی تنگ ظرفی کا ماتم کرے، انسانی سیرت کا جمال اس کے اخلاق کا حسن اور اس کے جذبات کی لطافت اگر آشکارا ہو جائے تو اس عالم کی تمام رنگینیوں اور دلفریبیوں پر پانی پھیر دے اور حسنِ کائنات کو مات دیدے، انسان کی ذات اس کائنات میں گوہرِ مقصود اور بیت الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاقِ عالم کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جسے اس نے بہترین صورت، اکمل سیرت اور عمدہ ترین ساخت عطا کی ہے۔

انسان ہر پیمانے سے بلند ہے

دنیا اپنے تمام خزینوں اور دفینوں اور دولت و حکومت کے ساتھ بھی اس انسانی عقیدے کا بدل نہیں بن سکتی، جو شک اور کمزوریوں سے بالاتر ہوتا ہے، اور نہ اس محبت کی قیمت بن سکتی ہے، جو مادی فوائد و مصالح سے بے نیاز ہوتی ہے، اور نہ اس جذبے کی قائم مقامی کر سکتی ہے، جو حدود و قیود سے آشنا نہیں، نہ اس اخلاص کی جگہ لے سکتی ہے، جو اغراض و منافع سے بے نیاز ہوتا ہے، اور نہ اس کے اس اخلاق کی قیمت بن سکتی ہے، جو سودے بازی اور انتقام سے بلند ہوتا ہے، اور نہ اس مخلصانہ خدمت کے برابر ہو سکتی ہے، جو بدلے اور شکریے سے بھی مستغنی ہوتی ہے۔

انسان اگر اپنے آپ کو پہچان لے اور اپنی قیمت طلب کرے تو یہ دنیا اس کے دام لگانے سے عاجز ہو جائے، اور اگر اس کی ذات وسعت اختیار کرلے اور اپنے عزم و ہمت کی عنان ڈھیلی چھوڑ دے اور اپنی فطرت کو اس کے بہاؤ پر ڈال دے تو یہ دنیا اس کے لئے تنگ ہو جائے، اور سمٹ کر اس کے لئے ایک بے روشنی اور ہوا کا پنجرہ ثابت ہو

گھٹے اگر تو بس ایک مشتِ خاک ہے انساں
بڑھے تو وسعتِ کونین میں سما نہ سکے

فطرتِ انسانی کی گہرائیوں کو نہ ناپا جا سکتا ہے نہ اس کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی ماہیت و حقیقت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اس کی حیرت انگیز اور اعجاز نما صلاحیتیں، اس کا علم و حلم، اس کی شرافت و کریم النفسی، اس کی شفقت و محبت، اس کا رحم و کرم، اس کے شعور کی لطافت اس کے احساس کی نزاکت، اس کا زہد و ایثار، اس کی خودداری و انکسار، معرفت الٰہی کی استعداد اور فنا فی اللہ ہونے کا ذوق، بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق اور پیچیدہ، مشکل اور نئے نئے علوم و فنون کی لگن، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی اور ذہین ترین لوگوں کا دماغ چکرا جاتا ہے۔

نبوت محمدیہ کا کارنامہ

انسان کا وجود ہر خیر و برکت، اور اقبال و سعادت کی کنجی اور ہر مشکل اور ہر مسئلہ کا حل ہے اور جب اس کی ساخت میں کجی آجاتی اور اس کی تہذیب فاسد ہو جاتی ہے حقیقی انسان نادر و نایاب ہو جاتے ہیں، اور جب اچھے انسان بنانے کا رواج اٹھ جاتا ہے، تو یہی چیز تمام نبوتوں کا

موضوع نبی ہے اور ہر نبی اپنے زمانے میں اسی مہم کو لے کر اٹھا ہے اور ایسے انسانوں کا ایسی کمیت و کیفیت میں اٹھ کھڑا ہونا جس کا منظر تاریخ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو، نہ ایسا نظارہ چشم فلک کے سامنے آیا ہو، وہ ایک سلک گہر، ایک سیسہ پلائی دیوار، اور مضبوط ملت و جماعت بن گئے ہوں، اور ایک مشترک مقصد و عقیدہ کے لئے باہمی تعاون کرنے لگے ہوں، یہ نبوت محمدی کا کارنامہ اور عظیم معجزہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مردم سازی اور آدم گری کا کام اس سطح سے شروع کیا، جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا، اور نہ وہ اس کا مکلف بنایا گیا تھا، اس لئے کہ عام طور پر دیگر انبیاء کی قوموں کی معاشرتی سطح، زمانۂ جاہلیت سے بہت بلند تھی، اس کے باوجود آنحضرتؐ نے اپنے اس عظیم کام کو اُس سطح تک پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔

آپؐ نے اس سطح سے کام شروع کیا، جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی، اور اس اعلا سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے، اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی اور درجہ نہیں اور جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے۔

امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ اور نوع انسانی کے اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصوّر نے اپنے فن کار موئے قلم اور صناع ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی، جیسے کہ حقیقت واقعہ، اور تاریخ کی شہادت کی

روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے کبھی اپنے شاداب تخیل، مواج طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیلہ، ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ ان کی ذات میں موجود تھا، دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں، تو ان کا تخیل اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا جہاں واقعاتی زندگی میں وہ لوگ موجود تھے، جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے اور جو درسگاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے، ان کا قوی ایمان، ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل، ان کی بے تکلف اور ریا و نفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری، ان کا خوف خدا، ان کی عفت و پاکیزگی اور انسان نوازی، ان کے احساسات کی نزاکت و لطافت، ان کی مردانگی و شجاعت ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت، ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت گزاری، متاع دنیا اور آرائش زندگی سے بے نیازی، ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری اور اپنی راحت پر ان کی راحت کو ترجیح، ایسی چیزیں ہیں کہ اگلی امتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا، اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا، جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے

اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا، وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بہی خواہ عامل ہوتا، وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غمخوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا، اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غمخوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا

انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی، یہ معاشرت و حکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق و نفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں، اور ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح، امانت دار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، اور مادی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا، اس معاشرے کے افراد میں تاجر کی صداقت و امانت، ایک محتاج کی سادگی و مشقت، ایک عامل کی محنت و خیر خواہی، ایک غنی و مالدار کی سخاوت و ہمدردی، ایک قاضی کا انصاف اور معاملہ فہمی، ایک والیٔ ملک کا اخلاص و امانتداری، ایک رئیس و سردار کی تواضع و رحمدلی، ایک وفادار خادم کی قوت کار، اور ایک امانت دار محافظ کی نگرانی و نگہبانی جمع تھی، اور یہ حکومت دعوت و ہدایت کی علمبردار حکومت تھی جو عقیدے کو منفعت و مصلحت اور ارشاد و ہدایت کو مالگزاری اور ٹیکس وصولی پر ترجیح دیتی تھی، اس معاشرے کے اثر و نفوذ اور اس حکومت

کے اقتدار کے تحت عوامی زندگی میں ہر طرف ایمان و عمل صالح، صدق و اخلاص، جہاد و اجتہاد، للہیت، دین میں عدل و اعتدال اور اپنے اور دوسروں کے ساتھ انصاف نظر آنے لگا۔

آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فردِ صالح کی کامیابی

یہ فردِ صالح ہر اس امتحان اور آزمائش میں پورا اترا جو کمزور پہلوؤں کو ظاہر کر دیتی اور مخفی صلاحیتوں کو جانچتی ہے، یہ فرد آزمائش کی ان بھٹیوں سے کھرے اور خالص سونے کی طرح نکلا جس میں کوئی کھوٹ اور ملاوٹ نہ تھی، اس نے ہر نازک موقع پر قوتِ ایمانی، قوتِ ارادی، نبوی تربیت کی تاثیر، پاک نفسی و احساسِ ذمہ داری اور امانت و بے نیازی اور ایثار کا وہ بلند نمونہ پیش کیا جس کی ماہرینِ نفسیات و علمائے اخلاقیات اور مؤرخین و ماہرینِ بشریات توقع بھی نہیں کر سکتے۔

ان نازک موقعوں میں سب سے نازک آزمائش اس امیر و حاکم کی ہے جو کسی کے آگے جواب دِہ نہیں، نہ اسے کوئی متجسس آنکھ دیکھتی ہے اور نہ اسے کسی کمیٹی اور عدالت کا سامنا کرنا ہے ـــــــ ایسا حاکم اپنے لئے جائز چیزوں اور اپنے ذاتی مال کی طرف سے بھی بے رغبتی دکھاتا اور اس معمولی مال کا بھی روادار نہیں ہوتا جس کی شریعت اجازت دیتی اور جو عرفِ عام میں رائج ہے اور جسے کسی زمانے کے لوگوں نے اہمیت نہیں دی۔

حکمرانوں کا زہد اور ان کی سادگی

اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زوجۂ محترمہ کو ایک بار کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ہوئی اور اس کے لئے انھوں نے اپنے روزانہ کے

خرچ سے کچھ پس انداز کرلیا، جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کردی اور اپنے روزانہ کے وظیفہ سے بقدر اس رقم کے کم کرادیا، انھوں نے کہا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ اتنی رقم زائد تھی اور اس سے کم میں ابوبکرؓ کے گھرانے کا گذارا ہوسکتا ہے مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش کی زندگی بسر کرے اور کھانے پینے میں توسع سے کام لے۔

یہاں ایک دوسری سچی تصویر جلوسِ خلافت کی ہے اور اپنے وقت کی سب سے بڑی مملکت کے طاقتور حاکم کے اس سرکاری دورے کی تفصیل پر مبنی ہے جو سرکاری کام ہی کے لئے ہوا تھا۔

یہ ایسے باجبروت حاکم کا سفر تھا جس کا نام سن کر لوگوں کے دل لرز جاتے اور وہ تھرا اٹھتے تھے ہم ایک مؤرخ کا بیان نقل کرتے ہیں جو اس عجیب سفر کا راوی ہے اور اس پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی ہے، ابن کثیر کا بیان ہے۔

> "حضرت عمر بن الخطابؓ بیت المقدس جاتے ہوئے ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے، دھوپ میں آپ کے سر پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہ تھا، کجاوہ کے دونوں طرف آپ پاؤں لٹکائے ہوئے تھے، اس میں رکاب بھی نہ تھی، اونٹ پر ایک موٹا اونی کپڑا تھا جسے آپ اتر کر بچھاتے تھے آپ کی گٹھری جو چمڑے یا اون کی تھی جس میں پتے بھرے ہوئے تھے سواری کی حالت میں اسی پر ٹیک لگاتے اور اترنے کے بعد اسی کا تکیہ بناتے تھے، آپ کی قمیص ایک پرانے گزی کے کپڑے کی تھی جو بغل کی طرف پھٹی ہوئی تھی۔
>
> آپ نے وہاں کے سردار کو بلایا چنانچہ لوگ جلومس کو بلانے گئے، اس کے بعد

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا کرتا دھو دو اور اس کے پھٹے ہوئے حصے میں پیوند لگا دو اور میرے لئے عاریۃً کوئی کپڑا یا کرتا فراہم کرو، چنانچہ ایک ریشمی کرتا حاضر کیا گیا آپ نے اسے دیکھ کر حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ریشم ہے، آپ نے پھر فرمایا ریشم کیا ہوتا ہے، لوگوں کے بتانے پر آپ نے اپنا کرتا اتار کر غسل فرمایا اور آپ کا پیوند لگا کرتا حاضر کیا گیا تو آپ نے ان کا ریشمی کرتا اتار کر اپنا وہی کرتا پہن لیا

جلومس نے ان سے مشورۃً کہا کہ آپ بادشاہ عرب ہیں اور یہاں کے لوگوں میں اونٹ کی کوئی اہمیت نہیں، اس لئے آپ اگر کوئی اچھا کپڑا پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہوں تو یہ اہل روم کو متاثر کر سکے گا، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی تو اب اللہ کے بدلے ہم کسی اور چیز کو نہیں اپنائیں گے، ایک گھوڑا لایا گیا جس پر آپ نے اپنی چادر ڈال دی اس پر نہ لگام استعمال کی اور نہ رکاب باندھی بلکہ یونہی سوار ہو گئے، لیکن تھوڑی سی دیر بعد فرمایا روکو روکو میں نے اس سے پہلے لوگوں کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا تھا" چنانچہ آپ کا اونٹ لایا گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے[1]

اسی طرح مؤرخ طبری نے آپ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے:۔

"ایک بار حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر سفر پر نکلے آپ کے ساتھ کچھ صحابہؓ بھی تھے آپ مقام ایلۃ کے مقابل جا رہے تھے (جو بحر احمر کے ساحل پر ہے) جب اس کے قریب پہنچے تو راستے کے کنارے ہو گئے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۵۹، ۶۰

اور اپنے غلام کو پیچھے کر لیا، آپ نے اس مقام پر پہنچ کر استنجا کیا، اور لوٹ کر اپنے غلام کی سواری پر سوار ہو گئے (جس پر ایک الٹی فرد پڑی ہوئی تھی) اور اپنی سواری غلام کو دیدی، چنانچہ جب لوگوں کا پہلا گروہ آپ سے ملا تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سامنے ہیں، چنانچہ وہ آپ کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، جب ایلۃ پہنچے تو ان ملنے والوں سے جب کہا کہ امیر المومنین ایلۃ پہنچ گئے تو لوگوں نے آپ کو پہچانا اور آپ کی طرف لپکے۔[1]

انسانیت کا مثالی نمونہ

زہد و تواضع، ایثار و ہمدردی، عدالت و شجاعت، حکمت و صداقت، کے یہ بہترین اور مثالی نمونے خلفائے راشدینؓ اور صحابۂ کرامؓ کے حالات میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ اگر انھیں کوئی مورخ و ادیب یا نفسیات و اخلاق کا کوئی عالم جمع کرے اور ان سے ایک جامع اور منفرد شخصیت تیار کرے تو انسانی سیرتوں میں ایک ممتاز ترین سیرت و شخصیت تیار ہو جائے اور انسانیت کے عظیم مرقع اور انسانیت کی عالمی تاریخ کی جلوہ گاہ میں ایک حسین ترین پیکر کا اضافہ ہو جائے، لیکن افسوس ہے کہ ہم اس برگزیدہ جماعت کی مکمل اور جامع تعریف و تصویر کتابوں میں نہیں پاتے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت کا ثمرہ اور نمونہ تھی، پھر بھی بعض شخصیتوں کے کچھ جلوے، ادیبانہ بلاغت پیکر نگاری، اور مرقع کشی کے ساتھ کتابوں میں محفوظ ہو گئے ہیں، اس لئے کہ عرب قدیم زمانے سے اپنی زبان دانی، جادو بیانی، منظر نگاری اور صداقتِ تعبیر کے لئے مشہور رہ چکے ہیں،

---

[1] طبری ۴/۲۰۳، ۲۰۴

ان کی اس خاکہ نگاری کی مدد سے ہم تربیت نبوی کے اثرات و آثار اور اس کی کامیابی و نادرہ کاری کا کچھ اندازہ لگا سکتے، اور اس معاشرے کے بلند نمونے دیکھ سکتے ہیں جس کی وساطت سے رسول اللہؐ کا اعجاز اپنی دلکش ترین شکل میں ظہور میں آیا تھا، ان تصویروں میں ایک تصویر سیدنا علی مرتضیٰؓ کی ہے، یہ تصویر اپنی تاثیر و تعبیر کے اعتبار سے عالمی اور غیر فانی ادب کے بہترین نمونوں میں شامل ہونے کی مستحق ہے۔

ایک موقع پر امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے رفیق قدیم ضرار بن ضمرہ سے (جنھیں ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا) حضرت علیؓ کے اوصاف و محاسن بیان کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے کہا۔

"واللہ وہ بڑے بلند ہمت اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے، آپ کی بات قول فیصل اور آپ کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا، آپ کے ہر پہلو سے علم کا چشمہ ابلتا تھا، آپ کو دنیا اور اس کے زیب و زینت سے وحشت رہتی تھی، رات کی تنہائی اور تاریکی سے آپ بہت مانوس تھے، خدا کی قسم آپ بہت ہی رونے والے، طویل غور و فکر میں رہنے والے تھے، آپ اپنی ہتھیلی کو پلٹ کر اپنے آپ سے مخاطب ہوتے اور اپنا محاسبہ کرتے، آپ کو موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا پسند تھا، وہ ہم میں ہمارے ہی طرح رہتے تھے، جب ہم کوئی بات پوچھتے تو بشاشت سے جواب دیتے اور جب ہم ان کے پاس آتے تو خیریت طلبی میں پہل کرتے، آپ ہماری دعوت پر ہمارے یہاں تشریف لاتے لیکن ان کی شفقت اور اپنی نیازمندی اور بے تکلفی کے باوجود ہم رعب کے مارے زیادہ گفتگو نہ کرتے اور نہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے، مسکراتے تو ان کے دانت

مومنوں کی لڑی معلوم ہوتے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے کوئی با اثر شخص ان سے کسی غلط کام کی امید بھی نہیں کر سکتا تھا، اور نہ کمزور آدمی ان کے عدل سے محروم و مایوس ہو سکتا تھا۔

میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انھیں کبھی کبھی اس حال میں بھی دیکھا ہے کہ رات ڈھل چکی ہے، اور ستارے ڈوبنے لگے ہیں، اور آپ اس وقت اپنی محراب میں اپنے محاسن شریف پکڑے ہوئے سانپ کاٹے ہوئے شخص کی طرح بے چین ہیں، اور کسی غمزدہ کی طرح رو رہے ہیں، اور میں انھیں یہ کہتے سن رہا ہوں کہ "اے دنیا! کیا تو مجھے نشانہ بنانا چاہتی ہے، اور میرے لئے بن سنور کر آئی ہے؟ دور ہو! دور ہو!! اور میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے میں نے بغیر رجعت کے تجھے تین طلاقیں دیں، تیری عمر مختصر، تیرا عیش حقیر، اور تیرا خطرہ بہت بھاری ہے، آہ! زادِ سفر کم، سفر لمبا، اور راستہ وحشتناک ہے۔"[1]

پہلا اسلامی معاشرہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جسے آپ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا، وہ انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہوا، جو دلکش، کامل، اور تمام انسانی محاسن کا جامع تھا، اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی بلاغت، مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز اور وسیع امکانات رکھنے والے الفاظ میں اس طرح کرایا ہے "وہ لوگ تمام لوگوں میں

---

[1] صفۃ الصفوۃ: ابن جوزی

پاکیزہ ترین دل، عمیق ترین علم، اور کم سے کم تکلف والے تھے، جنھیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت بابرکت اور دین کی سربلندی و نصرت کے لئے انتخاب فرمایا تھا۔[1]

جب اس معاشرے کا کسی اور معاشرے سے مقابلہ کیا جائے گا تو بحیثیت مجموعی اس کا پلّہ بھاری نکلے گا، اور اس کی کمزوریوں کا پہلو (جس سے کوئی بشر خالی نہیں) اس کے محاسن، اور اس کے عظیم بشری نمونوں کے مقابل میں بہت ہی حقیر دکھائی دے گا، اور اس کے اخلاقی کمالات کے ایسے نادر شاہکار نظر آئیں گے جن سے تاریخ انسانی خالی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بڑی بلاغت اور دقیقہ رسی کے ساتھ فرمایا ہے:۔

"اس امت کے بہترین لوگ صحابۂ کرامؓ ہیں، اس لئے کہ امت میں ان سے بڑھ کر ہدایت اور دین حق پر متبع ہونے والا، اور تفرقہ و اختلاف سے ان سے بڑھ کر دور رہنے والا کوئی اور نہیں، ان کی طرف جو تھوڑی سی کوتاہیاں منسوب کی جاتی ہیں، اگر ان کا امت کے دیگر افراد سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بہت ہی کم دکھائی دیں گی اسی طرح جب امت کی کوتاہیاں دوسری قوموں کی کوتاہیوں کے مقابلے میں رکھیں تو ان کا پلہ بھی ہلکا نظر آئے گا، اور جو یہ غلط بیانی کرتا ہے، وہ گویا ایک سفید کپڑے کے ایک کالے دھبے کو بڑا کر کے دکھاتا ہے، وہ دوسری قوموں کے جامۂ سیاہ کو نہیں دیکھتا جس میں سفیدی چند لفظوں کے برابر ہے، اور اس طرح فیصلہ کر دینا بڑا ظلم اور جہالت ہے۔"[2]

رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر

دعوت نبوی، تعلیمات محمدی اور ان بلند پایہ نمونوں کی تاثیر (جنھیں آپ نے اپنی

---

[1] مسند دارمی   [2] منہاج السنۃ ۳/۲۴۲

اور اپنے اصحابؓ کی سیرت کی شکل میں پیش کیا اور بعد کے آنے والوں کو جن کی اتباع کی تلقین کی تھی) اور آپؐ کی عظیم شخصیت (جو تمام احوال اور تمام ادوار کے لئے کامل مثال، روشن چراغ اور دائمی رہنما رہی ہے) کا اثر اسی عہد تک موقوف نہ تھا جس میں آپؐ مبعوث ہوئے تھے اور نہ اس معاشرے تک محدود تھا جس نے آپؐ کا مبارک زمانہ پایا اور آپ کی صحبت سے استفادہ کیا تھا، وہ تو اس نیر اعظم کی طرح تھا جس کی روشنی و گرمی میں کھیتیاں اور پھل ہر زمانے اور ہر جگہ میں پکتے ہیں، اور جو اپنی بلندی سے اپنی حسین، سنہری، اور قوت و حیات سے بھری ہوئی کرنیں دنیا کی طرف بھیجتا رہتا ہے، جن سے ہر دور و نزدیک کی چیز مستفید ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کے لئے آپؐ کی دعوت، اللہ کی نگرانی کا استحضار، اس کے غیظ و غضب کا خوف، اس کے اجر و ثواب کی طمع، جہنم کا ڈر اور جنت کا شوق، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی متاع دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب، زندگی میں سادگی، لوگوں کو اپنے اور اپنی آل و اولاد پر ترجیح، بیگانہ کے ساتھ ایثار اور خویش و اقارب پر اس کو مقدم رکھنا اور قریبی اعزا کو جہاد و مشقت اور قربانی کے موقعوں پر آگے بڑھانا، مکارم اخلاق، اور ایسے نازک و لطیف احساسات کو فروغ دینا (جنھیں ذکی و ذہین لوگ سوچ بھی سکیں) یہ سب چیزیں ایک عالمگیر ابدی اور ہمہ گیر مدرسہ کی طرح تھیں جس سے یکے بعد دیگرے نئی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں، اور علماء و قائدین، بادشاہ اور حکام، عابد و زاہد اس سے مستفید ہو ہو کر نکلتے رہے، سب نے اسی مثالی مدرسہ میں اخلاق و انسانیت کے پہلے سبق لئے اور پھر سب پر فائق ہو گئے، اور اپنے اخلاق فاضلہ کی بلندی، لطافت حس، شعور کی نزاکت امانت داری، عیش و طرب کا سامان، خزانوں کی کنجیاں، حکومتوں کی باگ ڈور، اور قوموں کا مستقبل اپنے ہاتھ میں رکھنے کے باوجود زہد و کثرت عبادت میں تمام قوموں سے بڑھے ہوئے

نظر آتے ہیں۔

اس نبوی تاثیر سے فیض یاب ہونے والوں میں زمان و مکان کے بہت سے فاصلے ہیں لیکن وہ بہر حال، ایمان کی کھیتی، نبوت کی فصل، دعوت اسلامی کا ثمر اور رسالت محمدیہ کا کارنامہ ہیں، اور ان کی سیرت و اخلاق میں جو کچھ حسن نظر آتا ہے، وہ نبوتِ محمدی کی جلوہ سامانیوں کا پرتو ہے، اس عقیدہ و سیرت، اور اس اخلاق کے حصول میں ان کے والدین، ماحول اور ان کی ذہانت کا اس میں کوئی دخل نہیں، اس لئے کہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور تعلیمات اور ان افراد کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت اور سیرت نبوی کی اتباع کا ذوق، اور اسلام کا احسان نہ ہوتا تو وہ عقیدے میں بتوں کے پجاری، اور اخلاق میں درندوں اور چوپایوں کی طرح ہوتے نہ توحید ہوتی نہ تقوی ہوتا نہ زہد و ایثار ہوتے نہ عفو و عالی ظرفی، نہ لطافتِ جذبات ہوتی اور نہ حسنِ اخلاق۔

عالمگیر اور ابدی درسگاہِ محمدی کے بعض تلامذہ اور انکے اخلاق و زندگی کے چند نمونے

اس مدرسے کے تلامذہ و فضلاء میں سے ایک شخص کو لے لیں جسے نبوت محمدی نے گہوارۂ اسلام جزیرۃ العرب، عہدِ رسالت سے بہت دور تیار کیا تھا، اور نسل و نسب کے اعتبار سے جس کی رگیں عربی خون سے خالی تھیں، وہ سلطان صلاح الدین کردی عجمی ہیں، جن کو صلاح الدین ایوبی کے نام سے تاریخ اسلام جانتی ہے، جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں[1] ان کے بارے میں ان کے رفیق اور معتمد خاص (SECRETARY) ابن شداد کہتے ہیں۔

"ان کی حکومت میں کیا کچھ نہیں آیا لیکن مرتے وقت ان کے پاس چاندی کے

---

[1] صلاح الدین کی وفات ۵۸۹ھ میں ہوئی تھی ایوب سلطان صلاح الدین کے والد کا نام تھا۔

کل ۴۷ ناصری درہم اور ایک سونے کا سکہ نکلا جس کا وزن مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔
میں نے انھیں ایک بار بیت المقدس میں وفود کے درمیان دیکھا اور وہ دمشق
جانے کی تیاری میں تھے لیکن ان کے خزانے میں ان وفود کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا،
میں اس سلسلے میں گفتگو کرتا رہا آخر انھوں نے بیت المال کی کچھ چیزیں فروخت
کیں اور ان وفود کو دیدیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔

وہ تنگی کے حال میں بھی اسی طرح داد و دہش سے کام لیتے جس طرح خوش حالی
کے وقت فیاضی برتتے تھے اسی لئے ان کے خزانہ داران سے کچھ چیزیں چھپا کر
اہم فوری ضرورتوں کے لئے رکھ لیتے تھے اس لئے کہ انھیں جب بھی کسی شے کا علم
ہو جاتا تو اسے باہر منگا لیتے، ایک گفتگو کے دوران میں نے انھیں یہ کہتے سنا کہ
لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو مال کو مٹی سمجھتے ہیں گویا یہ ان کا اپنی
ہی ذات کی طرف اشارہ تھا، وہ سائل کی توقع سے زیادہ ہی دیتے تھے۔"[1]

جب یہ عظیم بادشاہ جو شام کے شمالی حدود سے جنوب میں صحرائے نوبہ تک حکومت
کرتا تھا، دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے خزانے میں اس کے کفن دفن تک کا پیسہ نہ تھا،
ابن شداد کا بیان ہے کہ:-

"پھر ان کے غسل اور کفن کی تیاری ہونے لگی تو ہمیں اس کا انتظام اس طرح کرنا پڑا
کہ معمولی چیزیں بھی قرض سے لینا پڑیں حتی کہ گھاس کے پولے جو قبر میں رکھے جاتے ہیں۔
قرض ہی سے لئے گئے نماز ظہر کے بعد ایک معمولی کپڑے سے ڈھکے ہوئے تابوت
میں آپ کا جنازہ لایا گیا، کفن کے تمام کپڑے قاضی فاضل نے مہیا کیے تھے۔"[2]

---

[1] النوادر السلطانیة والمحاسن الیوسفیة: ابن شداد ۱۳، ۱۴ [2] ایضاً ۳۵

صلاح الدین کا یورپین سیرت نگار لین پول (STANELY LANPOOL) اپنی مشہور کتاب "صلاح الدین" میں لکھتا ہے:۔

"اگر دنیا کو صلاح الدین کی شرافت و عالی حوصلگی کے اس معاملہ کے سوا اور کچھ نہ معلوم ہو جو اس نے بیت المقدس کی فتح اور اسلام کے لئے اس کی بازیابی کے وقت اپنے مسیحی دشمنوں کے ساتھ کیا تھا، تب بھی یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس کے زمانے میں عالی ہمتی، عظمت و شجاعت، اور مردانگی و بسالت میں کوئی آدمی اس سے بڑھا ہوا نہیں تھا، بلکہ اس معاملے میں تو وہ ہر زمانے کے لوگوں میں بھی عظیم تھا۔"[1]

یہ محمدی تاثیر، قوت و فیضان اور امکانات سے بھرپور، اور وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں کارفرما رہی اور ان ملکوں میں جو عالم اسلامی کے دور دراز کناروں پر واقع ہیں، اور نومسلم قوموں اور افراد میں جو اسلام کے اولین داعیوں سے نسل و زبان اور ثقافت کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اپنے عجائب و غرائب ظاہر کرتی رہی، چنانچہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ ایسے لوگ کسی داعیٔ اسلام یا روحانی مرشد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پھر ان کی اولاد میں بادشاہ یا بادشاہ کی صورت میں زاہد مرتاض اور ولیٔ کامل پیدا ہوئے، جن میں خشیت و تقویٰ، عدل و توازن، ہمدردی و غمخواری، رحم و کرم، احتساب و اخلاص نیت، اور صدق و صفا کے وہ نمونے پائے گئے کہ دوسری قوموں کے احبار و رہبان اور پوپ پادریوں میں بھی ایسے نمونے نہیں پائے گئے، ان کے ملوک و سلاطین کا تو سوال ہی نہیں۔

میں یہاں ہندوستان کی طویل اسلامی تاریخ سے (جو ایسے بلند نمونوں سے بھری

---

[1] صلاح الدین ۲۰۵

ہوئی ہے) ایک ہی نمونے پر اکتفا کروں گا جسکی جدت وندرت اور تازگی وطرفگی مرورایام اور اعادہ وتکرار کے باوجود اب تک کم نہیں ہوئی ہے، گجرات کے بادشاہ مظفر حلیم (م ۹۳۲ھ) اور اس کے معاصر سلطان محمود خلجی والیٔ مانڈو کے درمیان پرانی رنجش تھی، سلطان خلجی برابر جارحیت سے کام لیکر گجرات پر حملہ آور ہوا کرتا تھا جس کے نتیجے میں سلطان مظفر حلیم کو اپنے ملک کا دفاع اور جوابی حملہ کرنا ہوتا تھا، قسمت کی بات کہ محمود پر زوال آیا اور اپنی قوت وشوکت پر ناز کرنے والے اس بادشاہ کو ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے اپنے کریم النفس پرانے دشمن سے فریادرسی اور امداد طلبی کرنی پڑی اس لئے کہ اس کے ملک پر اس کے وزیر منڈلی رائے نے قبضہ کرلیا تھا، سلطان محمود کو، سلطان مظفر کے دامنِ عاطفت اور اسلامی غیرت کے سوا کہیں جائے پناہ نظر نہیں آئی، چنانچہ حسب توقع وہ سلطان مظفر کے لطف وکرم، مدد وتعاون کا سزاوار ٹھہرا، یہ معاملہ وہ شخص کبھی نہیں کرسکتا تھا، جو جاہلی عصبیت کا شکار اور مادیت وموقع پرستی کے فلسفہ میں گرفتار ہوتا، سلطان مظفر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ اپنے لاچار اور نہتے دشمن کو کوئی طعنہ دیا، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور نفس وشیطان کے علی الرغم اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور اپنے لشکر جرار کے ساتھ مانڈو کی طرف بڑھا، اس نے اس حریف سلطنت کے معاملے کو اپنی سلطنت کے معاملے کی طرح، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اہمیت دی اور ایک اسلامی مملکت کی آزادی کی حفاظت اور شوکت اسلام کے اعادہ کے لئے اپنی حکومت اور اس کی حریت وسالمیت کو داؤں پر لگا دیا، ادھر سے کافر فوجیں اور بت پرست طاقتیں بھی اپنے حلیف ملک مانڈو کی مدد کے لئے میدان میں آگئیں اور ایک خونی وجنونی لڑائی چھڑ گئی، جس میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، بالآخر سلطان مظفر کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی، راجپوت بادشاہوں کے

پرانے طریقے کے مطابق ہندو رانیوں اور بادشاہ کی بیگمات نے جوہر کی پرانی رسم ادا کی اور بالآخر یہ ملک پھر مسلم حکمرانی میں آگیا۔

یہاں انسانی شرافت اور اسلامی اخلاق کا ایک اور بہترین نمونہ سامنے آتا ہے، سلطان مظفر کے بعض فوجی مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ اس زرخیز اور خوبصورت ملک پر قبضہ کرے جس کے خوشنما محلات، مضبوط قلعوں، اور بھرے ہوئے خزانوں کی (جو کمزور مغرور بادشاہ کی حماقت سے خطرہ میں پڑ گئے تھے) ہندوستان میں کوئی مثال نہ تھی، ان کی منطق یہ تھی کہ اب بادشاہ نے اسے از سر نو فتح کیا ہے اس لئے اب وہ اس کا حقدار ہے، ملک تو قوت وغلبہ کا نتیجہ ہوتے اور شہر فاتح کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔

سلطان کو جب اس رائے اور فوجیوں کی خواہش کا علم ہوا تو سلطان محمود کو حکم دیا کہ اس کے فوجیوں میں سے کسی کو شہر میں نہ جانے دے، سلطان محمود نے اس سے قلعہ میں کچھ ٹھہرنے اور غسل وغیرہ کی دعوت دی لیکن سلطان مظفر نے یہ دعوت شکریہ کے ساتھ نامنظور کر دی اور اپنی فوجوں کو احمد آباد اور اپنے ٹھکانوں پر واپسی کا حکم دیدیا اور محمود خلجی سے کہا کہ میں تو اس ملک میں صرف اللہ کی رضا، اس کے ثواب کی طمع اور اس کے اس حکم پر عمل کرنے آیا تھا کہ:

وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ[1]	اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد چاہیں تو تم پر مدد لازم ہے
والمسلم اخو المسلم لا يسلمه ولا يخذله[2]	مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے جسے نہ دشمن کے سپرد کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔

اب میرا یہ مقصد پورا ہو گیا، اور اللہ نے مجھے آپ کو اور اسلام کو سرخرو کیا، میں نے

---

[1] الانفال ۷۲ — [2] حدیث

اپنے ساتھیوں سے ایسی باتیں سنیں جن پر میں عمل کرتا تو میرا عمل رائگاں اور میرا جہاد ضائع ہو جاتا اور اس معاملے میں میرا نہیں بلکہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے اس سعادت کا مجھے موقع دیا، اور اس کا سبب بنے، اب میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں، اس لئے کہ اپنے عمل کو بے قیمت نہیں بنانا چاہتا، اور نہ نیکی کے ساتھ بدی کو ملانا چاہتا ہوں، بادشاہ کے یہ کہتے ہی اس کی فوج ظفر موج حرکت میں آگئی، شہسواروں نے احمد آباد کی طرف عنان عزیمت موڑ دی، اور ایک مثال قائم کرتے ہوئے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔

مظفر کے "مانڈو" فتح کرنے اور فاتحانہ اور باعزت داخلہ کے وقت محمود نے اپنے دوست مظفر کو سیر کرانے اور اس ملک کے خزانوں اور عجائبات دکھانے کے لئے ساتھ لے لیا، یہاں کی ہر چیز تعجب خیز اور حیرت انگیز تھی، شہر مانڈو حسن و سرسبزی، ثروت و امارت، خوش جمال باندیوں اور عورتوں کا ایک "مینا بازار" تھا لیکن سلطان مظفر سر جھکائے نظریں نیچی کئے ہوئے اور اس مال و جمال کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا، محمود نے اپنے اس شرمیلے دوست سے حشم و خدم اور جواری اور کنیزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (جو فاتح کے استقبال کے لئے کھڑی مسکرا رہی تھیں) کہا کہ "جناب عالی! کیا بات ہے؟ آپ نہ سر اٹھاتے ہیں نہ اس منظر کو دیکھتے ہیں؟ سلطان مظفر نے کہا کہ "محمود! میرے لئے یہ جائز نہیں، اللہ تعالے فرماتا ہے۔

قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔[1] مومنوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

محمود نے کہا کہ وہ میری باندیاں ہیں، اور میں آپ کا غلام ہوں جب آپ نے اپنے احسان سے بندۂ بے دام بنا لیا ہے اس لئے وہ دوہرے طریقہ پر بھی آپ کی باندی اور غلام ہیں، لیکن مظفر کو یہ نکتہ مطمئن نہیں کر سکا، اس کا یقین تھا کہ اللہ نے جسے حرام کیا ہے اسے

---
[1] النور - ۳۰

کوئی حلال نہیں کر سکتا۔

اس طرح زاہد و متقی بادشاہ نے اپنی شرافت اپنے باطن اور روح کی عفت، اسلام سے شدت تاثر، اور بلند اسلامی اخلاق کا نمونہ قائم کر دیا جن کی محبت اس کی گھٹی میں پڑی تھی اور جن پر وہ زندگی بھر کار بند رہا، بادشاہ کا اسلامی نسب دو تین واسطوں کے بعد ہندی نژاد غیر مسلم خاندانوں اور ٹانک برادری کے پشتوں میں کھو جاتا ہے، جن کا ایک فرد مشرف بہ اسلام ہو کر اس عظیم سلطنت کا بانی ہوا تھا، اور اسلامی مورخ کو اس کے دادا کے بعد اسلامی نام نہیں ملتے جو فیروز تغلق کے وقت میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوا تھا، اور اس کے بعد ہندوستانی نام آنے لگتے ہیں، جن کی اصلیت و مفہوم کا پتہ نہیں چلتا، سلطان مظفر نے یہ شرافت اور تقویٰ درسگاہ محمدی ہی سے سیکھا تھا جس کا وہ مخلص و محتی شاگرد تھا، اور جو اسلام کی نعمت اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل و احسان کا قدر داں اور اس دین سے پوری دلچسپی اور احترام کے ساتھ متعلق تھا۔

اس دائمی و مبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری

اس بابرکت اور مردم خیز مدرسے کے کتنے فرزند مشرق و مغرب اور عرب و عجم، قرون اولیٰ و وسطیٰ اور عہد حاضر میں پھیلے ہوئے، اور ان عظیم فرزندوں کے کتنے کارنامے اور فتوحات، اور فضائل و محاسن، انسانی زندگی کے ہر گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اس مدرسہ کی تربیت کی تاثیر اور اس کے بانی کا فیض کبھی طارق کی شجاعت محمد بن قاسم کی بسالت اور موسیٰ بن نصیر کی ہمت کے پردے میں چمکا، کبھی امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ کی ذکاوت و ذہانت کی شکل میں ظاہر ہوا، کبھی امام مالکؒ و امام احمدؒ بن حنبل کی صلابت و استقامت کے

لہ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو آصفی کی عربی تاریخ "ظفر الوالہ"

پیکر میں آشکارا ہوا، کبھی نورالدین زنگی کے لطف و کرم میں جلوہ گر ہوا، کبھی صلاح الدین کے عزم محکم اور سعی پیہم سے ہویدا ہوا، کبھی امام غزالیؒ کا جوہر کمال بن کر سامنے آیا، اور کبھی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا تقدس و روحانیت بن کر دلوں کا مداوا بنا، کبھی ابن جوزی کی تاثیر بنا، کبھی محمد فاتح کی شمشیر بنا، کبھی محمود غزنوی کی مہم جوئی اور کبھی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی رقت و شفقت ثابت ہوا، کبھی فیروز شاہ خلجی کی بلند طبعی میں صورت پذیر ہوا، کبھی ابن تیمیہؒ کے تبحر علمی میں، کبھی شیر شاہ سوری کے حسن تدبیر کی شکل میں سامنے آیا، اور کبھی اورنگزیب عالمگیر کے آہنی عزم کی ہئیت میں، کبھی شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے معارف و حکم میں نمایاں ہوا، اور کبھی مجدد الف ثانیؒ کے آثارِ قلم و قدم میں، کبھی شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت بن کر ابھرا، اور کبھی شاہ ولی اللہؒ کی حکمت بن کر، اور کبھی ان کے بعد کے آنے والے داعی و مصلحین اور علمائے ربانی کی خدمات بن کر۔

ان تمام عبقریتوں اور ان کی علمی و عملی خدمات کا سلسلۂ نسب و نسبت اس مدرسہ اور اس کی تربیت اور اس نئے اور خوش آیند عہد پر منتہی ہوتا ہے، جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے شروع ہوا، جس میں انسانیت کے افضل ترین ارکانات کو ابھرنے اور سرگرم ہونے کا موقع ملا، اور جس میں ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے والے افراد ملنے لگے، یہ مدرسہ ـــــ زمانے کی چیرہ دستی اور لوگوں کی ناآشنائی ـــــ کے باوجود تاریخ میں بے مثال افراد پیدا کرتا رہا، اور خدا کے حکم سے اپنے مفید اثرات و ثمرات سے انسانیت کی جھولی بھرتا رہا ہے، وہ اپنے ان مخلص قائدین اور ربانی علماء کے ذریعہ انسانیت کی خبر گیری اور دلداری کرتا رہا ہے، جن کے بارے میں قرآن میں ہے کہ:۔

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ، یُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	وہ مومنوں کے سامنے نرم اور کافروں کے مقابل سخت ہیں، اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں،

وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ[1] — اور کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے۔

اور زبان غیب یہ صدا لگاتی ہے کہ:۔

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ۔[2] — تو اگر یہ لوگ اس کا انکار اور اس نعمت کی ناشکری کریں گے تو ہم نے اس کے لئے ایسی قوم مقرر کر رکھی ہے۔ جو منکر اور کافر نعمت نہیں۔

---

[1] المائدہ ــ ۵۴ [2] الانعام ــ ۹۰

ساتواں خطبہ

ختم نبوت

(۱)

حضرات! اب جبکہ توفیق الٰہی سے منصب رسالت و نبوت، اس کے عالی مرتبہ حاملین، اور ان کے خاتم و مکمل محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے اہم پہلوؤں اور گوشوں پر قرآن عظیم کی رہبری و رہنمائی، اور تاریخ و سیرت کی روشنی میں اپنے معروضات اور فکر و مطالعہ کا خلاصہ اور نتیجہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی، ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے مسئلہ پر قرآن مجید ہی کی رہبری و رہنمائی میں اور سیرت و حدیث، تاریخ ادیان و ملل، مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور فلسفۂ اجتماع و تمدن کے بدیہی اصولوں، اور طویل تجربوں کی روشنی میں گفتگو کی جائے کہ یہی ہمارے اس علمی سفر کی آخری منزل، اور ہمارے اس قلمی طواف و سعی کا آخری نقطہ اور منتہیٰ اور ان خطبات کا "حسن خاتمہ" ہے، چونکہ اس زمانہ میں کچھ غلط اندیش اور مفاد پرست لوگوں نے اس واضح اور متفق علیہ عقیدہ کو غبار آلود کرنے، اور اس کو ایک متنازعہ فیہ علمی مسئلہ کی شکل دینے کی کوشش کی ہے، اس لئے پچھلے خطبات کے مقابلہ میں اس مسئلہ پر ہم کو قدرے تفصیل اور

نسبتاً دراز نفسی کی ضرورت پیش آئے گی اور شاید اس کو دو حصوں اور مجلسوں میں تقسیم کرنا پڑے۔

دین کی تکمیل اور امت کی نیابت انبیاء

خدائے علیم و خبیر کا ارادہ قاہر و غالب دین اسلام کو نقطۂ کمال پر پہنچانے اور اس کو ہر دور و دیار کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے میں پورا ہو کر رہا، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام اور دین کی امانت کو بندوں تک پہنچا دیا اور اللہ کے راستہ میں جہاد کا پورا حق ادا کر دیا اور ایک ایسی امت تیار کر دی جس نے نبوت کا منصب پائے بغیر کارِ نبوت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، اور اسے دعوت اسلام کو لے کر کھڑے ہونے، دین کو تحریف و تبدیلی سے بچانے، دنیا کی خیر خواہی اور ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسانیت کا احتساب کرنے پر مامور و متعین کر دیا گیا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ[1]	تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لیے سامنے لائی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

خدا کے علم ازلی میں یہ پہلے سے مقدر تھا کہ دنیا میں پیغمبروں کے جانشین، علم و ہدایت کے روشن مینار اور ثبات و استقامت کے کوہ وقار ہر دور میں موجود رہیں گے جو اس دین کو ہر زمانے میں، غلو اور زیادتی کرنے والوں کی تحریف، باطل پسندوں کے غلط انتساب، اور جاہلوں کی بے جا تاویل سے بچاتے رہیں گے، تقدیر الٰہی کے اس فیصلہ کی خبر اور بشارت دیتے ہوئے زبان نبوت نے کہا۔

---

[1] آل عمران ۱۱۰

لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق لا یضرہم من خذلہم حتی یاتی امر اللہ وہم کذالک۔[1]

میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم اور غالب رہے گی اور ان کا ساتھ نہ دینے والا ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا آخری فیصلہ (قیامت) آجائے گی اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد اس کے منقطع ہوجانے کا اعلان

جب عالم تکوین و تشریع میں یہ سب طے ہوگیا تو اس کا اعلان کردیا گیا کہ انسانوں کو ان عقائد و شریعت کی تعلیم (جس پر ان کی دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا مدار ہے) اب وحی و ملائکہ[2] کے ذریعہ اور کسی نئے نبی کے واسطہ سے نہیں دی جائے گی اور نبوت و وحی کے نزول کا سلسلہ آخری طور پر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کیا جارہا ہے۔

نبوت و وحی کے نزول، اور ملائکہ بالخصوص جبرئیلؑ کے ذریعہ انبیاء سابقین اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلق خدا کی ہدایت و تعلیم پر مامور کرنے کے تذکرے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے، یہاں پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

---

[1] مسلم بروایت ثوبان [2] آیات قرآنی اور انبیاء و مرسلین کے بارے میں سنت الٰہیہ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اور عام طور پر نبوت و شریعت کے سلسلے کی وحی پیغمبروں پر ملک (فرشتہ) کے ذریعہ اور خصوصیت کے ساتھ حضرت جبرئیلؑ ہی کے واسطہ سے آتی تھی اور ہم نے جو آیتیں نقل کی ہیں ان سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے لیکن اکثر متکلمین اور عقائد کی کتابوں کے مصنفین نے عام طور پر مطلق وحی کا ذکر کیا ہے، ملک یا جبرئیل امین کی تخصیص نہیں کی ہے، حالانکہ اس سلسلہ میں قرآن مجید عام طور پر اس وساطت کا ذکر کرتا ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۔[1]

وہ فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ تم یہ اعلان کر دو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں، تو مجھی سے ڈرو۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ۝[2]

اور یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ کے دل پر اترا ہے تاکہ آپ کھلی عربی زبان میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا[3] فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔

کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اللہ براہ راست اس سے بات کرے مگر یہ کہ وہ بات وحی اور پردے کی اوٹ سے ہو، وہ فرشتہ بھیجے اور وہ رسول کو اس کے حسب اجازت اس کے منشا سے آگاہ کرے اللہ یقیناً بلند اور حکمت والا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝[4]

آپ کہہ دیجیے کہ اس کتاب کو روح القدس فرشتہ آپ کے رب کے پاس سے ٹھیک ٹھیک لے کر اترا ہے تاکہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت کا ساماں ہو۔

---

[1] النحل ۲ [2] الشعراء ۱۹۲-۱۹۵ [3] الشوریٰ ۵۱ — اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ "یرسل رسولاً" سے مراد فرشتہ ہے، [4] النحل ۱۰۲۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ [۱]

اور نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا یہ تو صرف وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے اور اسے بھرپور طاقت اور قوت والے فرشتہ نے اسے سکھایا تو وہ پورے نظر آئے اور وہ بلند افق پر تھے پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔

قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ [۲]

کہہ دو کہ جو شخص جبرئیلؑ کا دشمن ہو (اس کو غصہ میں مرجانا چاہئے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۝ [۳]

بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہاں اونچے درجہ والا سردار (اور) امانت دار ہے اور (مکہ والو) تمہارے رفیق (یعنی محمدؐ) دیوانہ نہیں ہیں، بیشک انہوں نے اس (فرشتہ) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں۔

---

[۱] النجم ۳-۱۰ [۲] البقرہ ۹۷ [۳] التکویر ۱۹ تا ۲۴

لیکن جہاں تک وجدانی اور لدُنّی علوم اور حِکَم و معارف اور ان اطلاعات کا سوال ہے جو بعض پاکیزہ نفوس اور ریاضت و مجاہدہ اور علوم و حقائق کے سمندر میں غواصی کرنے والوں کو الہام کر دی جاتی ہیں اور جو کچھ لوگوں کو "نوائے سروش" یا ندائے غیب کی صورت میں سنائی دیتی ہیں اس کا نبوت سے تو دور کا بھی تعلق نہیں بعض اوقات اس کے لئے ہدایت و حقانیت کی بھی شرط نہیں ہوتی[1]۔

---

[1] کبھی ایسی آوازیں غیر مسلموں کو بھی سنائی دیتی ہیں، اور اس کے بہت سے واقعات سننے میں آچکے ہیں، اس کا انکار ہٹ دھرمی اور متواتر واقعات کا انکار ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء۔ (بخاری بروایت حضرت ابوہریرۃ مناقب عمر)	تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ الہامی باتیں کرتے تھے لیکن وہ نبی نہ تھے۔

مشہور عارف شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی معروف بہ شیخ اکبر (م ۶۳۸ھ) نے اس کی صراحت کی ہے کہ اولیاء اور اصحاب ریاضت کے الہام علوم و اخبار تک محدود ہوتے ہیں، احکام و شریعت میں ان کو کچھ دخل نہیں اور اگر وہ احکام و شریعت پر مشتمل ہوں تو وہ قابل اعتماد نہیں اور نہ ان کی کچھ حیثیت ہے (فتوحات مکیہ باب ۳۱۰ جلد ۳ صفحہ ۵۰ اور جلد دوم باب ۲۸۳ صفحہ ۹۲۳)

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) نے کتاب النبوات میں اس ذکر کے بعد کہ "وحی" کا لفظ انبیاء و غیر انبیاء جیسے اصحاب الہام اور جنھیں مخاطبت و مکالمت غیبی کا شرف حاصل ہوتا ہے سب کے لئے آتا ہے لکھا ہے کہ "ان اصحاب الہام اور مخاطبین غیب کو کچھ باتیں الہام کی جاتی ہیں لیکن وہ نہ نبی معصوم ہوتے ہیں، اور نہ ان کے تمام واقعات کی تصدیق کی جاسکتی ہے اس لئے کہ کبھی شیطان انھیں کچھ ایسی باتیں بھی سنا دیتا ہے جو وحی ربانی نہیں بلکہ وحی شیطانی ہوتی ہیں اور ان دونوں چیزوں کا فرق انبیاء کی تعلیمات سے ہی معلوم ہوتا ہے" (صفحہ ۶) اس موضوع پر محققین صوفیاء اور ائمہ معرفت و تحقیق نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے جیسے ان کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ) کے مکتوبات دیکھنے کی چیز ہیں۔

یہ اعلان اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے کہ نبوت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کردی گئی اور یہ مضمون ومفہوم ایسے صریح اور واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور اس بارے میں کج بحثی اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش وہی شخص کرے گا جس کے دل میں چور ہو یا اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔

وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہوسکتے ہیں

قرآن مجید نے سلسلۂ نبوت کے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی عملاً ضرورت نہ ہونے کے اظہار کے لئے گوناگوں اور نہایت بلیغ اسالیب بیان اختیار کئے ہیں، جو بیک وقت قلب ودماغ کو پورے طور پر اپیل کرنے والے ہیں، اس کے لئے کبھی تو قرآن مجید نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص واوصاف ایسے انداز میں بیان کئے ہیں جن سے عقل سلیم رکھنے والا ہر انسان بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ ایک زندۂ جاوید پیغمبر اور قیامت تک کے لئے قابل تقلید نمونہ اور مثالی شخصیت ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝	محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کردینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

سلہ الاحزاب ۴۰، اس آیت کا آخری جزء "وکان اللہ بکل شیئ علیما" قرآن مجید کے اعجاز کا ایک نمونہ ہے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ ایک پیغمبر قیامت تک کے لئے (باقی صفحہ ۲۰۶ پر)

قرآن نے آپ کے آخری نبی ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اسی قوم کی زبان اور تعبیرات سے کام لیا ہے، جن کی زبان میں وہ اترا ہے، اور جو اس کے اولین مخاطب اور اس کے سمجھنے اور پھر دنیا کو سمجھانے اور بتانے پر مامور تھے، یہ زبان ان کے درمیان رابطے، بول چال، اور ادائے مطلب کی زبان تھی، لیکن اس زبان کی محیر العقول وسعت وصلاحیت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس میں کمال وانتہا بتانے والا کوئی لفظ "خاتم" سے بہتر موجود نہیں اور اس مطلب کے لئے یہی لفظ گفتگوؤں اور شعر وادب میں ان کی نوک زبان رہتا تھا اسی لئے ان کی زبان میں خاتم، ختام، اور ختم کے وہی معنی پائے جاتے ہیں، جو قرآن مراد لیتا ہے یعنی یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، جن کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں[1]۔

قرآن نے آخری رسالت کے حامل رسول کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں، جو آپ کی رسالت کی ابدیت اور بلا استثنا ہر نسل، ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے لئے مثالی نمونہ اور اسوۂ حسنہ بننے کی صلاحیت واہلیت کی طرف واضح اشارے کرتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ — تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی)

(باقی حاشیہ ۲۰۵ کا) کیسے کافی اور مختلف انسانی نسلوں کے لئے رہنما اور اسوۂ کامل ہو سکتا ہے، اور اس کی شریعت وتعلیمات کس طرح تمام انسانی ضروریات، نئے نئے تقاضوں اور عہد بعہد کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے تو اس کا جواب ان مختصر لفظوں میں دیدیا گیا کہ "وکان اللہ بکل شیئ علیماً"۔

[1] ابن منظور کی "لسان العرب"، جوہری کی "صحاح العربیہ"، ابن سیدہ کی "المحکم"، مجد الدین فیروز آبادی کی "القاموس المحیط" اور اس کی شرح جو علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کے قلم سے ہے یعنی "تاج العروس" اور دوسرے مستند معاجم (لغات) اور معتمد علیہ تفسیریں ملاحظہ ہوں۔

حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔[1]

اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔[2]

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیگا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔[3]

اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ خدائے عالم الغیوب کی ذات تو بہت اعلیٰ وارفع ہے عقلمندوں اور بلیغ ادیبوں کا بھی یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی ایسے بادشاہ کی مدح و توصیف میں سحر طرازی اور نفس درازی سے کام لیں جس کی سلطنت عارضی اور جس کا ستارۂ اقبال رو بزوال ہے، اور اس کی جگہ کوئی دوسرا صاحب تاج و تخت لینے والا ہے، اسی طرح ان حکیموں اور دانشوروں کی جو انجام کار پر گہری نظر رکھتے اور خوب ناپ تول کر کوئی بات کہتے ہیں یہ طینت و افتاد طبیعت نہیں کہ وہ کسی ایسے بچے کی ولادت پر مبارک باد دینے میں فصاحت وبلاغت کے جوہر دکھائیں جس کے متعلق کسی قرینہ سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی زندگی مختصر اور اس کی بہار چند روزہ ہے، وہ ایسی ہستی کی درازی عمر اور بلند اقبالی کے گیت بلند آہنگی سے

---

[1] سورۃ الاحزاب ۲۱ [2] سورۂ آل عمران ۳۱ [3] سورۂ الاحزاب ۴۵-۴۶

نہیں گاتے[1] جس کے متعلق بعد میں کہنا پڑتا ہے ؎

خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

محمد رسول اللہ کی سیرت وحیات قیامت تک کے انسانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے غیبی انتظامات

جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام انسانی طبقات اور ہر زمانے اور ہر مقام کی انسانی نسلوں کے لئے مثالی نمونہ اور نصب العین ٹھہری تو اللہ کی رحمت و عنایت ان کے اخبار و آثار، احوال و کوائف، اخلاق و خصائل اور عادات و شمائل کی حفاظت

---

[1] اسی بنیاد پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحٰقؑ کے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا، اس لئے کہ یہ بات اس وعدہ اور اعلان کے منافی ہے، جو حضرت اسحٰقؑ کے فرزند تولد ہونے کے بارے میں کیا گیا تھا، ان کے تلمیذ رشید ابن قیم نے ان کا قول نقل کیا ہے کہ "یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ذبیح اسحاقؑ تھے، حالانکہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اسحاقؑ کی والدہ کو ان کے اور ان کے بیٹے یعقوب کی بشارت دی تھی، چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو اس طرح بشارت دی کہ۔

قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝	ڈریے نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور ان کی
وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا	بیوی جو وہاں کھڑی تھیں ہنس پڑیں تو ہم نے انھیں اسحاق
بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝ (ہود - ۷۰-۷۱)	اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

اس لئے یہ محال ہے کہ اللہ تعالےٰ انھیں ایک طرف بشارت دے کہ ان کے یہاں لڑکا ہوگا اور پھر انھیں اسی کو ذبح کرنے کا حکم دے۔ (زاد المعاد ج ۱ ص ۱۶)

کی طرف متوجہ ہوئی اور مسلمانوں کے قلوب واذہان آپ کے اقوال وافعال، عادات وعبادات نشست وبرخاست اور جلوت وخلوت کے حرکات وسکنات کے معلوم کرنے اور محفوظ کر دینے کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے اور ان کو اس میں ایسی محویت وانہماک ہوا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مخفی طاقت ہے، جو ان کو اس منزل کے لئے سرگرم سفر اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایسا رواں دواں رکھے ہوئے ہے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں آتا، اور ان کی زبان حال کہتی تھی کہ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جاکہ خاطر خواہ اوست

اس توجہ اور اعتنا، باریک بینی ودقیقہ رسی کا اندازہ، حدیث وسیرت وشمائل کی کتابوں اور حلیہ وسراپائے نبوی کی ان روایتوں سے ہوتا ہے، جو خاندان نبوت کے بعض افراد اور ہر وقت کے حاضر باش اصحاب کرام سے منقول ہیں۔

ادب وتاریخ، سیرت وانساب کے وسیع ذخیرہ میں اس سے زیادہ باریک بینی وانضباط واحتیاط کسی اور بشری پیکر کی مرقع نگاری اور اخلاق وعادات کی آئینہ داری کے سلسلہ میں دکھائی نہیں دیتی۔

مثال کے طور پر امام ابوعیسیٰ ترمذی (۲۰۹-۲۷۹ھ) کی کتاب شمائل پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ خلقی وخُلقی اوصاف، عادات ومعمولات، مرغوبات ونامرغوبات کی باریک تفصیلات کو قلمبند کرنے کا یہ اعجازی اہتمام اور اُس ذات گرامی سے ادنیٰ تعلق رکھنے والی چیزوں کے تفصیلی احاطہ کی مثال، انبیاء کی سیرتوں اور مشاہیر عالم کے تذکروں میں تلاش کرنا ایک سعی لاحاصل

ہے[1] یہ کوشش محض اتفاقی واقعہ یا کسی شخصی رجحان کا نتیجہ نہیں قرار دی جاسکتی۔

اسی طرح جو شخص امام بخاریؒ (۱۹۴ھ-۲۵۶ھ) کی "الأدب المفرد" کو غور سے دیکھے گا جسے اس کے عظیم المرتبت مصنف نے اسلامی آداب، مکارم اخلاق، حسن معاشرت، حقوق صحبت، تہذیب و تربیت نفس، زندگی کے اقدار و اطوار کے موضوع پر تصنیف کیا ہے اور جو تمام تر اقوال و افعال و تعلیمات نبوی پر مبنی ہے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ کوشش کوئی حادثہ اور اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ یہ خدائے عزیز و علیم کی عین منشار کے مطابق ہے اور یہ سب اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل میں اللہ کے اِن ارشادات پر عمل ہو سکے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1] — تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونۂ عمل ہے

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔[2] — کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں خدا سے محبت ہے تو میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔

اور تاکہ کسی بہانہ جو طبیعت کے لئے یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ نقش قدم باقی نہیں جن پر ہم چل سکیں، وہ واقعات و حالات محفوظ ہی نہیں جن کو ہم اپنے لئے اسوہ و نمونہ بنا سکیں

لہ امت مسلمہ کے علمار نے حیات نبوی کی باریک تفصیلات، آپ کے عہد مبارک کے صنعت و حرفت، تجارت و معیشت، عہدوں اور مناصب اور ان گوناگوں علوم و فنون اور امتیازات کو قلمبند کرنے کی پوری کوشش کی ہے جو اسلامی اور نبوی تہذیب کے زمانۂ آغاز میں سامنے آئے تھے اور یہیں کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے انبیار کی امتوں کی تاریخ اور کارناموں میں ہمیں یہ کوشش و توجہ کہیں نہیں دکھائی دیتی، ناظرین اس کا ایک نمونہ ابوالحسن علی الخزاعی التلمسانی (۷۱۰-۷۸۹ھ) کی کتاب "التخریج" اور اس کے تکملہ اس صدی کے ایک نامور عالم علامہ عبدالحی الکتانی کے قلم سے "التراتیب الاداریہ" کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں، جو عہد نبوی کی تمام اہم معلومات اور اس زمانہ کے حالات کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

---

[1] الاحزاب ۲۱ [2] آل عمران - ۳۱

جیسا کہ ان انبیاء کے سلسلہ میں ہوا جن کا صرف نام اور کچھ ادھورے واقعات باقی رہ گئے جو تقلید و پیروی کے لئے کافی نہیں۔

حدیث نبوی کو ہم ایک طرح کا "روزنامچہ" اور اس تئیس[۲۳] سالہ زندگی کا بولتا ہوا مرقع کہہ سکتے ہیں، جو آپ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اس کرۂ ارضی پر گزاری، یہ محتاط ریکارڈ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کس طرح گزارتے تھے، اور آپ کے روز و شب کے معمولات کیا تھے، اسی طرح ہم اس سے اخلاقِ نبوی کی باریکیاں، عادات و رجحانات، جذبات و خیالات، قول و عمل کی وہ تفصیلات جان سکتے ہیں، جو ہم عہد ماضی بلکہ حال کی بھی بہت سی معاصر شخصیتوں کے متعلق بھی نہیں جان سکتے، اس کے ذریعہ کوئی بھی انسان اپنے نبی کو اس طرح جان پہچان سکتا، آپ کی صحبت سے مستفید اور آپ کے انفاسِ قدسیہ سے فیضیاب ہو سکتا ہے کہ گویا وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہے، اور آپ کی باتیں سن رہا ہے اور آپ کے ساتھ رہ رہا ہے، یہ طریقۂ حفاظت و تعارف ان تمام خطرات اور مفاسد سے پاک ہے، جو تصویر کشی اور مجسمہ سازی میں پائے جاتے ہیں، اور جن کی وہ پچھلی امتیں بری طرح شکار ہوئیں جنھوں نے اپنے پیغمبروں اور روحانی پیشواؤں کی یاد قائم رکھنے کے لئے تصویر کشی اور مجسمہ تراشی کا سہارا لیا اور بالآخر کھلی بت پرستی میں ملوث ہو گئیں۔

ناظرین کو حدیث کی کتابوں میں سے حجۃ الوداع کا قصہ ہی اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوگا، راویوں نے اس سفر کی وہ تمام جزئیات اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات اور احوال و واقعات بھی نقل کئے ہیں، جن کی طرف عام طور پر توجہ بھی نہیں ہوتی اور جن کی کوئی بڑی تاریخی قدر و قیمت نہیں سمجھی جاتی اور جن کا ذکر عام طور پر مشاہیر و اکابر، بادشاہوں اور سربراہوں اور اہل فضل و کمال کے سفرناموں میں

نہیں ہوتا۔

حدیث کے اس وافر ذخیرہ کی مدد سے ہر زمانہ اور ہر مقام کے فاضل و وسیع النظر مصنفین نے مسلمانوں کے لئے ایسی کتابیں مرتب کیں، جو ان کی پوری زندگی کے لئے مکمل دستور العمل اور ہدایت نامہ کا کام دے سکیں، اس لئے اگر آج کسی بھی طبقہ اور مشغلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی مسلمان یہ ارادہ کرے کہ وہ ہر قدم پر، ہر معاملہ میں اور زندگی کی ہر سرگرمی میں سیرت نبویؐ کی اتباع کرے گا تو یہ چیز اس کے لئے ممکن ہے، جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہ کتابیں عالم اسلام کی بیشتر زبانوں میں ہیں، اور ان کے حجم اور ان کے موضوع کا دائرہ مختلف ہے، کوئی بہت مبسوط ہے، کوئی مختصر، ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید اور امت کے ایک ممتاز فرد علامہ ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ) کی کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" امتیازی شان رکھتی ہے[2]۔

---

[1] صحاح ستہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر احرام کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگانے، پچھنا لگوانے، قربانی کے جانور پر علامت (اشعار) لگانے کا تفصیل سے ذکر ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جانور کے جسم کے کس حصہ پر یہ عمل کیا گیا، اور اس سفر میں کس مقام پر یہ واقعہ پیش آیا، اس طرح اس طویل سفر کی تمام منزلوں کا بالتفصیل تذکرہ ہے، حتیٰ کہ راوی نے منیٰ کی رات میں ایک سانپ کے بچ کر نکل جانے اور زد پر نہ آنے کے معمولی واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا، اس سفر میں آپ نے جن لوگوں کو اپنا ردیف بنایا (یعنی سواری پر پیچھے بٹھالیا) ان کا نام بنام تذکرہ ہے، یہی نہیں بلکہ ساری عمر میں جن لوگوں کو یہ شرف حاصل ہوا ان کے نام بھی سیرت میں محفوظ ہیں۔

[2] اس کتاب کے ہندوستان اور مصر میں کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، ہمارے سامنے مطبعہ میمنیہ مصر کا ۱۳۲۴ھ کا ایڈیشن ہے جو دو ضخیم جلدوں میں اور بڑے سائز اور باریک ٹائپ کے ۹۲۶ صفحات پر
(باقی صفحہ ۲۱۳ پر)

سیرتِ نبوی اور انبیار سابقین کے تذکروں کا تقابلی مطالعہ

خدا کی یہ مصلحت و حکمت، سیرت نبویؐ کی وضاحت و ہدایت اور اتباع کرنے والوں کے لئے سہل الحصول اور آسان ہونے سے آشکارا ہوتی ہے، جب انسان اس سیرت اور دوسرے انبیار کی سیرتوں کا تقابل اور موازنہ کرتا ہے تو اسے وہ سیرتیں جہل و تغافل، تاریخ کے خونی حوادث کی تاریکیوں میں گم نظر آتی ہیں، اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے، کہ انھوں نے خاص زمانہ میں ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور مشعل راہ کا کام کیا، لیکن ہمیشہ ان کے محفوظ رہنے اور قیامت تک کی نسلوں تک بے کم و کاست پہنچنے کی عملاً کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس کے لئے ہمیں حضرت مسیحؑ کی سیرت کا مطالعہ ہی کافی ہے، حضرت مسیحؑ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی ہیں، اور ان کی حلقہ بگوش ایک ایسی امت ہے جس کا علمی و تصنیفی شغف تمام دنیا پر روشن ہے، اس کی محبت و عقیدت اپنے پیغمبر سے غلو و مبالغہ کی حد تک پہنچ گئی ہے، اور اس نے ان کو بشریت کے دائرہ سے نکال کر الوہیت کے دائرہ میں داخل کر دیا ہے، لیکن وہ بھی دنیا کے سامنے اپنے نبی کے صرف ایسے مختصر اور ادھورے معلومات ہی پیش کر سکی، جو کسی طرح ایک مکمل انسانی زندگی کی تصویر نہیں بناتے جسے انسان اپنی نجی زندگی میں سامنے رکھے، یا جس کی روشنی میں کوئی صالح معاشرہ وجود میں آسکے، ابھی کچھ دنوں پہلے تک مسیحی دنیا کا خیال تھا کہ "عہد جدید" یعنی انجیل سیرتِ مسیحؑ

(باقی صفحہ ۲۱۲ کا) مشتمل ہے، یہ کتاب سیرت، حدیث اور فقہ کے ایک چھوٹے کتاب خانہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ہر زمانہ کے علماء کے نزدیک مقبول و پسندیدہ رہی ہے۔

کے آخری تین سالوں کے واقعات پر مشتمل ہے، لیکن اب محققین اور اس موضوع کے ماہرین اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کے پچاس دنوں سے زیادہ کے واقعات و معلومات کا مواد نہیں[1]۔

دوسرے انبیاء اور پہلے مذاہب کے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے واقعات اور نقوش حیات ماضی کے ملبے کے نیچے دفن ہوگئے ہیں، اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن کے بغیر تاریخ مکمل ہی نہیں ہوسکتی، اور جن کے بغیر اتباع واقتدار کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جاسکتا) اس طرح گم ہیں کہ اب انھیں پانا ممکن نہیں[2]، اور یہ بات حکمت الٰہیہ کے عین مطابق اور نظام عالم کے قوانین کے بالکل موافق بھی معلوم ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کردار وں کی جو نمونہ و مثال اور آئیڈیل کا کام دیں، ایک محدود عمر ہوتی ہے، جس کے ختم ہوجانے پر ان اقدار کو نسل بہ نسل منتقل کرنے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی، لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور دائمی ہوتی ہے تو وہ زمان و مکان کے انقلابات کے باوجود باقی رہتی ہیں، ان کا تسلسل قائم رہتا اور وہ سدا بہار و زندۂ جاوید بن جاتی ہیں، جن کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔

---

[1] فاضل پادری ڈاکٹر چارلس اینڈرسن اسکاٹ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (جلد ۱۳ صفحہ ۱۷ چودھواں ایڈیشن) میں اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:-

"یسوع کی سیرت لکھنے کی کوشش ہی سے صاف صاف دستبردار ہو جانا چاہیے، اس کے لئے سامان ہی موجود نہیں ہے یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ جتنے ایام زندگی کے متعلق کچھ معلومات موجود ہیں ان کی تعداد پچاس سے زیادہ نہیں" (ترجمہ از صدق جدید جلد ۱۱ ص ۴)

[2] تفصیل کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی کی گرانقدر کتاب "خطبات مدراس" کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا خطبہ ملاحظہ ہو۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ

جو شخص بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں وہ ہدایات و تعلیمات اور آداب و احکام پڑھے گا جن کا سورۃ الاحزاب، الحجرات، التحریم، المجادلہ میں ذکر ہے اور ان انعامات الٰہیہ و امتیازات و معاملہ خصوصی کا تذکرہ دیکھے گا جن کی طرف سورۃ الفتح، الضحیٰ، الانشراح میں اشارات آئے ہیں، تو اس کی عقل اور اس کا ذوق سلیم اس کی شہادت دے گا کہ یہ صفات اس پیغمبر کی ہیں، جو تمام نسلوں، اور زمانوں کے لئے مبعوث ہوا ہے، اور جس کے آفتاب اقبال کو کبھی گہن نہیں لگتا، اور جس کے عروج کا ستارہ کبھی ڈوبتا نہیں ـــ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کسی بھی نبی کی بعثت (خواہ وہ کوئی جدید شریعت لے کر نہ آئے) محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں، خدا کی زبان سے اس عطر آگیں تذکرے اور مشک بیز مدح و ثنا کے منافی ٹھہرتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی نبی کریمؐ سے امت کے مضبوط، ابدی اور دائمی رشتہ کو کمزور کرتی ہے آپ کی تعلیمات و اسوۂ حسنہ آپ کے اصحاب و اہل بیت، آپ کے مولد و منشا (مکہ و مدینہ اور سرزمین عرب) کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو نقصان پہونچاتی اور اسکو متاثر کرتی ہے اس لئے کہ جو نبی بھی آپ کے بعد مبعوث ہوتا اس کا امت اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان (دانستہ و نادانستہ) حائل ہو جانا، اور شعوری و لاشعوری طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات سے امت کے رشتہ اور تعلق کو کمزور بنا دینا ضروری تھا ایسا ہونا قانون قدرت اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے[1]۔

---

[1] جیسے کہ عقیدۂ امامت فرقۂ امامیہ کے غالی افراد کے اس جذباتی لگاؤ، جوش و خروش، اور اس والہانہ تعلق کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا، جو ایک امتی کا اصلاً اپنے نبی کے ساتھ ہونا چاہیے، ان غالی پیر پرستوں (باقی ص۲۱۶ پر)

ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ — اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی صاحبِ عقل اور نفسیاتِ انسانی کا رمز آشنا، جس کی تاریخ ادیان و ملل پر گہری نظر ہے، یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ کسی امت میں نئے نبی کی بعثت پہلے نبی کے ساتھ امت کے تعلق اور محبت سے متصادم اور مزاحم نہیں ہوگی، اور اس کا وہ تعلق کمزور نہیں پڑے گا، جو نبی اول کے وطن و قوم، رفقاء و اصحاب، اہل بیت و متعلقین، زبان و تہذیب، اور سوانح و تاریخ سے قائم تھا، یہ ٹکراؤ لازمی اور ان قوانینِ قدرت میں سے ہے جو کبھی نہیں بدلتے۔

قرآن و حدیث کا صریح مطالبہ ہے کہ محمد رسول اللہ کی ذاتِ گرامی، امتی کو دنیا و ما فیہا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز و محبوب ہو، اور وہ اس کو اپنی ذات اور متعلقین پر کھلی ترجیح دے۔

حدیث صحیح میں آتا ہے:۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔[1] — تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

(باقی ص۲۱۵ کا) اور علماء کا معاملہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جنھوں نے خاص ذہنی تربیت کے اثر سے بعض اولیاء امت بالخصوص سیدنا عبدالقادر جیلانی کو شریک فی النبوۃ، اور بعض حالات میں شریک فی الالوہیۃ بنا دیا ہے، اور جن کی ساری عقیدت و محبت سمٹ کر انھیں کی ذات، اور سیرت و واقعات میں آگئی ہے۔ [1] روایت شیخین و نسائی۔ بعض روایتوں میں "من نفسہ" بھی ہے (طبرانی معجم کبیر و اوسط)

اور قرآن کہتا ہے:۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمْ۔[۱]	پیغمبر مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں، اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

لیکن ایک نئے نبی پر ایمان لانے کے بعد محبت و تعلق کی یہ وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے، اور اس محبوب ترین شخصیت کے رقیب و سہیم قدرتاً پیدا ہو جاتے ہیں، یہ فطرت انسانی کا عین تقاضا ہے اور فطرت انسانی ہمیشہ سے ایک ہی چلی آرہی ہے۔

بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نئی نبوت کے متحمل نہیں

قرآنی اسالیب میں سے ایک اسلوب بیان وہ بھی ہے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر رسالت اور آپ کی شریعت کے تعارف میں استعمال ہوا ہے، یہ بلند آہنگ علانات و تصریحات ثابت کرتی ہیں کہ نبوتوں اور آسمانی رسالتوں کا سلسلہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر تمام ہو گا چنانچہ قرآن مجید نے واضح عربی زبان میں جس میں کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں یہ کہا کہ دین اپنے کمال، انسانی ضروریات کی تکمیل، اور بقائے دوام کی اہلیت و صلاحیت کی ارتقائی منزل پر پہنچ گیا چنانچہ ارشاد ہوا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔[۲]	آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفہ کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر سنہ ۱۰ھ میں نازل ہوئی تھی جس کے بعد

---

[۱] الاحزاب ۶ [۲] المائدہ ۳

جیسا کہ اکثر احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے، حلت و حرمت کا کوئی حکم نہیں نازل ہوا، اور اس دن کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل ۸۱ دن اس دنیا میں رہے، اور اکابر صحابہ جو اس دین کے اسرار کو سب سے بہتر سمجھنے اور مقاصد شریعت بخوبی جاننے والے اور حضور رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب، اور سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی زندگی کے آرزو مند تھے، اور جن کے سرخیل حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے، وہ اس آیت سے آنحضرت کے وقت مفارقت کے قرب اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آجانے کو بھانپ گئے تھے، اس لئے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچا چکے، دین پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا، اور اللہ کی نعمت اس کے بندوں پر تمام ہو چکی تھی، چنانچہ ان میں سے بعض حضرات رونے لگے اور بعض لوگوں نے قیامت کی اس گھڑی کے قریب آجانے کی خبر دی[1]، اور بعض ذکی و فہیم علماء یہود نے (جن کی تاریخ و مذاہب پر نظر تھی) یہ کہا کہ یہ آیت ایک امتیازی اعزاز ہے جس سے مسلمان سرفراز کئے گئے ہیں، اور اس کے ساتھ ہی اس دین کے لئے وہ فخر ہے، جس میں کوئی دوسرا دین شریک نہیں، اور انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جس دن میں یہ آیت اتری ہے اسے یادگار دن بنا دینا چاہیے، آنے والے زمانوں میں بھی اس کا جشن منانا اور مسلمانوں کو اس دن اپنی مسرت و تشکر کا اظہار کرنا چاہیے[2]

خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی جن پر یہ آیت اتری تھی، یہی سمجھا، چنانچہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں (جسے ایک لاکھ انسان کان لگائے سن رہے اور یاد کر رہے تھے) فرمایا:

ایہا الناس إانہ لا نبی بعدی، ولا امۃ	اے لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے والا
بعدکم، الا فاعبدوا ربکم، وصلوا خمسکم	ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے والی ہے

---

[1] حدیث و سیرت اور تفسیر کی کتابیں ملاحظہ ہوں۔ [2] ملاحظہ ہو صحیح بخاری کتاب التفسیر اور صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد، اور تفسیر ابن کثیر۔

وصوموا شهركم، وادوا زكوٰة اموالكم طيبة بها انفسكم، واطيعوا ولاة امركم تدخلوا جنة ربكم[1]

خوب سن لو کہ اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچوں نمازیں پڑھنا، ایک ماہ کے روزے رکھنا اور خوشی سے اپنے مال کی زکوٰة دینا اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرنا، ایسا کروگے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہوگے

اسی طرح قرآن نے اس کی صراحت کی کہ اس دین کے لئے بقائے دوام، غلبۂ اقتدار اور شہرت و مقبولیت طے کردی گئی ہے، وہ عزت و حرمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ کر اور اس کا کلمہ بلند ہو کر رہے گا، اس کی روشنی ضرور پھیلے گی اور اس کی صداقت یقیناً عالم آشکار ہو کر رہے گی ارشاد ہوا:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا[2]

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے، اور حق ظاہر کرنے کے لئے خدا ہی کافی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[3]

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو

---

[1] ابن جریر، تہذیب الآثار، اس کی ابن عساکر نے تخریج کی ہے (کنز العمال ۵/۲۹۵ طبع حلب)

[2] الفتح ۲۸ [3] الصف ۹، التوبہ ۳۳

بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔[1]

منہ سے (پھونک مار کر) بجھادیں، حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کرکے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یہ سب کفالتیں اور ضمانتیں، خبریں اور اعلان اس کی خبر دے رہے ہیں کہ یہ دین خدا کا آخری دین اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کے انسانوں کی ایک ضرورت ہے، اور اللہ تعالےٰ اس کے بارے میں اپنا ارادہ پورا کرکے رہے گا، خواہ لوگ اسے پسند کریں یا ناپسند، اور اس کے دشمن و حریف اس سے صلح کریں یا جنگ، جس دین کی یہ شان ہو اور جس کے بارہ میں اتنی سچی خبریں اور چیلنج اس کتاب میں آئے ہوں جس میں کہیں سے باطل کی گنجائش نہیں تو عقل سلیم اس کے سلسلہ میں یہ ماننے پر کبھی تیار نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی نسخ و تبدیلی کو قبول کرے گا، یا کسی نئے نبی اور رسول کی اس کو کبھی احتیاج پیش آئے گی۔

تمام اقوام و امم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت اور اصلاح و تبدیلی سے بے نیازی

اسلام سے پہلے مذاہب اور قدیم شریعتیں کبھی کسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہوتی تھیں یا کسی مقام اور خاص مدت سے مختص ہوتی تھیں[2]، یہودی مذہب کی دعوت کسی زمانہ میں بھی تمام انسانوں کے لئے نہ تھی اور یہود سے ان کی کتابوں میں یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ وہ اپنے پیغام کو دنیا کی تمام قوموں تک پہنچائیں بلکہ ایسے نصوص وارد ہوئے ہیں جو اس سے

---

[1] الصف ۸ [2] عہد عتیق میں متعدد صراحتیں ہیں کہ انبیاء بنی اسرائیل کی رسالتیں وقتی اور کسی زمانہ سے خاص ہوتی تھیں ملاحظہ ہو سفر تثنیہ (۱۸: ۱۵) (۱۸-۱۸) (۳۳-۱-۲)۔ بنی اسرائیل کے تمام اسفار و زبور اور انجیلیں ان صراحتوں سے بھری ہوئی ہیں۔

روکتے اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو ان کے قومی دائرے ہی تک محدود رکھتے ہیں[1] اس کا طبعی اور فطری نتیجہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے درمیان تفریق کریں اور خیر و شر نیکی و بدی کے مختلف پیمانے بنائیں جو نسلوں اور خاندانوں کے اختلاف سے بدلتے رہیں۔

نومسلم فاضل خاتون مریم جمیلہ (MARGARET MAREUS) جو پہلے یہودیہ تھیں، اپنی کتاب "اسلام اور اہل کتاب ماضی و حال" میں کہتی ہیں "عملاً ایسا نہیں کہ یہود دوسروں کو اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوں، وہ دوسروں کو اپنے دین میں آنے پر خوش آمدید نہیں کہتے ان کی طویل تاریخ میں دو مثالوں کے علاوہ مجھے کوئی مثال معلوم نہیں، جب غیر یہودی بڑی تعداد میں یہودی ہوئے ہوں، ایسا ایک بار یمن میں بعثت محمدی سے چند صدی پہلے ہوا تھا، اور دوسرے موقع پر تاتاری الاصل مملکت خزر میں غیر یہود کی ایک بڑی تعداد یہودی ہوئی تھی، جو روس میں کچھ عرصہ رہی"[2]

عہد عتیق کا اسلوب اور جو روح اس کی سطر سطر میں کارفرما ہے اس حقیقت کی واضح طور پر نقاب کشائی کرتی ہے، اور اس کتاب کے پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہود کا "شاہنامہ"، یہود کی کتاب المناقب یا مخصوص کتاب الانساب پڑھ رہا ہے، اسے اس میں روحانی و اخلاقی تعلیمات، مکارم اخلاق کی ترغیب، مساوات انسانی، اور احترام آدمیت کا تصور، زہد و تہذیب نفس، دنیا کے مقابل دین اور جنت کی لذتوں کی کوئی ترغیب اور دوزخ کے عذاب کے لئے کوئی تخویف و ترہیب اور ڈراوا نہیں ملتا جس سے نفس کا تزکیہ ہو

---

[1] توریت کے ان احکام و بیانات اور ہدایات و اشارات کی تفصیل دیکھنی ہو، تو قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصورپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول کتاب "رحمۃ للعالمین" کی جلد سوم میں خصوصیت نمبر ۲۲ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

[2] ISLAM VERSES AHL KITAB-PAST & PRESENT.(22-23)

قلب میں رقت اور گداز پیدا ہو، اور غیر اسرائیلی قاری کے اندر اپنی شرافت و مسئولیت کا کوئی شعور بیدار ہو، یہ کتاب اپنے تمام قصوں، حکایتوں اور احکام سمیت یہود ہی کے گرد گھومتی ہے، جنھیں ان کا دین اور ان کی کتاب "خدا کی برگزیدہ قوم" قرار دیتی ہے۔

اسی طرح حضرت مسیحؑ کی دعوت بھی بنی اسرائیل کے لئے خاص تھی، انھوں نے اس کی خود صراحت کی تھی کہ "وہ بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کے لئے آئے ہیں" انھوں نے اپنے شاگردوں سے صفائی سے کہا کہ :-

"میں اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا"[1]

اور جب ان کی توجہ ان مریضوں کی مسیحائی کی طرف منعطف کی گئی، جو بنی اسرائیل سے نسل و نسب کا تعلق نہیں رکھتے تھے، تو انھوں نے معذرت کر دی، اور فرمایا۔

"لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں"[2]

ان کی رسالت ان کے زمانہ، ان کے علاقہ اور انھیں کے آدمیوں تک موقوف و محدود رہی، انھوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان کو حکم دے کر کہا۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا، اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"[3]

دوسرے مشرقی اور ایشیائی مذاہب جیسے ہندو مت وغیرہ کا معاملہ اور بھی حیرت انگیز ہے، جن کے یہاں غیر آریوں اور غیر برہمنوں کو نجس اور پلید سمجھا جاتا تھا، انھیں جانوروں کا درجہ دیا جاتا اور کبھی ان کے ساتھ کتوں کا معاملہ کیا جاتا تھا۔[4]

---

[1] انجیل متی باب ۱۵: آیت ۲۴ [2] ایضاً: آیت ۲۵-۲۶ [3] ایضاً باب ۱۰: آیت ۶-۷ [4] تفصیل کے لئے مصنف کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کے باب اول کے مضمون "طبقہ واریت" صفحہ ۳۲ بد قسمت خود داخلہ دیکھے جائیں جس میں تفصیل کے ساتھ منوشاستر کے احکام و ہدایات پیش کی گئی ہیں۔

اس لئے خدا کی رحمت وحکمت کا تقاضا تھا کہ کوئی نیا نبی آئے، جو نئی تعلیمات اور شریعت وقانون میں نئی اصلاحات کا حامل ہو، جو بدلے ہوئے زمانے اور حالات کے تقاضوں کو پورا کر سکے اس لئے کہ ادیان سابقہ میں کبھی تو عیش پسند تن آسان امراء وحکام کی خاطر شریعت میں ایسا لوچ اور ڈھیل پیدا کردی گئی تھی، جس کی وجہ سے مذہب رخصتوں کا مجموعہ اور ہوا وہوس کی تسکین کا سامان بن گیا تھا کبھی تشدد پسند طبیعتوں اور غالی عابدوں اور زاہدوں کی سخت گیری اور دقت پسندی کی وجہ سے مذہب ایک ناقابل عمل ضابطۂ زندگی اور ایک ظالمانہ شکنجہ بن کر رہ گیا تھا جس کی موجودگی میں زندگی کی جائز لذتوں اور آزادیوں سے بھی متمتع ہونے کا موقع باقی نہیں رہا تھا اسی بنا پر وقتاً فوقتاً اس صورت حال کی اصلاح کے لئے انبیاء کو مبعوث و مامور کیا گیا، چنانچہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ۔[1]

اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں، اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں کہ) بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کردوں، اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، تم خدا سے ڈرو، اور میرا کہا مانو۔

قرآن نے نبوت جدیدہ کے ان دو اسباب کے خاتمہ کا اعلان کر دیا، اس نے ایک طرف اعلان کیا کہ رسالت محمدی ایک آفاقی اور عالمگیر پیغام اور دعوت ہے جس کے فیض سے نہ کوئی قوم وملت محروم ہے، اور نہ اس کے خطاب سے کوئی طبقہ یا جماعت مستثنیٰ ہے۔

---

[1] آل عمران: ۵۰

ارشاد ہے:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ [1]

(اے محمدؐ) کہدو کہ لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں، (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ [2]

اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ [3]

اور (اے محمدؐ) ہم نے تم کو تمام جہان کے لئے رحمت ہی (بنا کر) بھیجا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ [4]

وہ (خدائے عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے، جس نے اپنے بندہ پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل عالم کے لئے ڈرانیوالا ہو۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ [5]

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام سب کا حق اور تمام اقوام وملل، تمام قومیتوں اور نسلوں، تمام خاندانوں اور خانوادوں، تمام ملکوں اور خطوں کی دولتِ مشترکہ اور اجتماعی میراث

---

[1] الاعراف ۱۵۸ [2] سبا ۲۸ [3] الانبیاء ۱۰۷ [4] الفرقان ۱

[5] ص ۸۷، اس معنی میں اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

ہے اس میں یہودی، ہندو برہمنوں جیسی کوئی درجہ بندی نہیں، اس میں کوئی قوم دوسری قوم سے، کوئی نسل دوسری نسل سے ممتاز و برتر نہیں، اس میں رنگ و نسل کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ یہاں شمار ذوق و شوق، حسن قبول و طلب، قدردانی اور احسان شناسی، جہاد و اجتہاد اور دین و تقویٰ میں مسابقت و مقابلہ کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔[1]	لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرما دیا:۔

الناسُ بنوا ادم وادم خُلِقَ مِنْ تراب، لا فضلَ لعربی علی عجمی الا بالتقویٰ۔[2]	سب لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔

لوکان العلم بالثریا لناله اناس	اگر علم ثریا پر بھی ہو تو اسے ایران کے کچھ لوگ

---

[1] الحجرات ۱۳ [2] ترمذی

من ابناء فارس[1]۔ پالیں گے۔

دوسری طرف اس دین کے سہل و مطابق فطرت و قابل عمل ہونے کا جا بجا اعلان کیا گیا ہے:۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[2] خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ[3] تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔

پچھلی امتوں اور ملتوں میں جو غالیانہ اور متشددانہ قوانین وضع کرلئے گئے تھے اور انتہا پسند زاہدوں، عابدوں اور محدود علم رکھنے والے قانون سازوں نے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا، اس کو آخری نبوت و شریعت نے ختم کر دیا، اور ان قوموں کو اس مصیبت سے نجات دی، قرآن مجید میں اس نبی کی تعریف میں کہا گیا:۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ[4] وہ انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں، اور برے کام سے روکتے ہیں، اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں، اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں، اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

---

[1] مسند احمد ۲/۲۹۶ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور کتاب "الجواب الصحیح" میں بعثت محمدی کی عمومیت کی قرآن و حدیث اور آثار و اخبار کی روشنی میں تفصیل کی ہے ملاحظہ ہو جلد اول صـ۱۳۶ تا ۱۴۰ اور صـ۱۶۱ تا ۱۶۶، [2] البقرہ ۱۸۵ [3] الحج ۷۸

[4] سورۃ الأعراف ۱۵۷

قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کر دی کہ اگر بڑے سے بڑے عاقل اور قانون ساز لوگ بھی بشری ضروریات اور مختلف احوال کی رعایت رکھنا چاہتے تو بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے جہاں تک اللہ کے علم محکم کی رسائی ہے، آیت میراث میں فرمایا گیا۔

آبَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ○[1]

تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدہ کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے، یہ حصے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ○ يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ○[2]

خدا چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے، اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے، اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے، اور خدا تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے، اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستہ سے بھٹک کر دور جا گرو، خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے۔

ان خصوصیات کی بنا پر اب نہ کسی ایسی نبوت و شریعت کے آنے کی ضرورت ہے

---

[1] سورۃ النساء، ۱۱   [2] ایضاً ۲۶، ۲۷، ۲۸

جو (ادیان سابقہ کے برخلاف) ہر زمان و مکان اور ملل و اقوام کے لئے عمومی، اور نوع انسانی کے لئے ہدایت کا پیغام ہو، اور نہ ایسی نبوت و شریعت کی آمد کی ضرورت ہے، جو گذشتہ مذاہب اور شریعتوں کے وقتی احکام و قوانین کو منسوخ، اور اس تشدد و غلو، مردم آزاری اور فطرت بیزاری کے رجحان کی اصلاح کرے، جس نے مذہب کو ایک شکنجہ، اور زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا، اور دنیا میں ایک سہل الفہم اور سہل العمل دین پیش کرے، جو صحیح معنی میں دین فطرت ہے، اس لئے کہ یہ دونوں خصوصیتیں خدا کے دین اسلام اور اس کی شریعت میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔

گذشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم و تاریخ کی میزان میں

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا تختۂ مشق بنتے رہے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی، بلکہ اسے ان کے علماء و حاملین کے سپرد کر دیا تھا، اس کے علاوہ بشریت اور ان کی مخاطب امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی، جیسا کہ کہا گیا۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ۔	بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے، اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)

المائدہ ۴۴

اور یہ تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے، جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے، عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں، اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں، پہلی دفعہ جب بخت نصر (NEBUCHADEZZAR) (۶۰۵-۵۶۲ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۵۸۶ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی، جس میں حضرت سلیمان نے توریت کی تختیاں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے، اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انھیں وہ قید کر کے بابل لے گیا، جہاں وہ پچاس سال تک رہے، اور عزرا نبی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو "تورہ" کہلاتے ہیں، اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا، پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلہ کا اضافہ کیا اور داؤد کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم (ANTIOCHUS) نے جس کا لقب ایپفانس تھا، اور جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا، بیت المقدس پر ۱۶۸ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدسہ کو جلا دیا اور توراۃ کی تلاوت اور یہودی شعائر و روایات کو حکماً روک دیا، یہودا مقابی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا، اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائیٹس (TITUS) (۴۰-۸۱ء) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷ ستمبر ۷۰ء کو حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دارالحکومت لیتا گیا، اور یہود کو جلا وطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسا دیا۔[1]

---

[1] مقدس صحیفوں کی تاریخ کی کتابیں اور جیوش انسائیکلوپیڈیا ملاحظہ ہوں، ان حوادث کی طرف صحیفہ نحمیا و مقابیین میں بھی اشارے ملتے ہیں

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت و حفاظت اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطۂ نظر اس معیار اور نقطۂ نظر سے قطعاً مختلف ہے، جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کو کلام الٰہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانۂ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں، یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں، وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں نقطۂ نظر کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے، ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلوپیڈیا میں ہے:-

"یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انھیں کرداروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں، اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے مگر انھیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔"[1]

"قدیم یہودی روایات کے مطابق توریت کی پہلی پانچ کتابیں (آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰؑ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقض اور اختلافات کی جانب ربّی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انھیں درست کرتے رہے ہیں۔"[2]

---

[1] جیوش انسائیکلوپیڈیا ص ۹۳

(VELLNTINES ONE VOLUME GEWISH ENCYCLOPAEDIA, LONDON, P.93)

[2] ایضاً جلد ۹ ص ۵۸۹

"اسپنوزا (SPINOZA) کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عذرا کی تصنیف ہیں"[1]

"جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں"[2][3]

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے، اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے، اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے، جس کا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں، رہ گیا ہے[4]، یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زبانوں میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں، اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابیں اور وحی و الہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں، اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی، جن سے یہ کتابیں گذرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث و سنن کا استناد اور اعتماد و اعتبار بھی نہیں رکھتیں، چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں، اس لئے کہ

---

[1] ایضاً صفحہ ۵۹ [2] ایضاً صفحہ ۵۹ [3] ماخوذ از حواشی تفسیر ماجدی انگریزی۔

[4] اناجیل اربعہ کے ترتیب کے زمانے کے تعین، ان کی ترتیب زمانی، اور ان مآخذ اور سرچشموں کے بارے میں جن سے ان صحیفوں کا مواد حاصل کیا گیا، اختلافات معلوم کرنے کیلئے ملاحظہ ہو پروفیسر ای او جیمس (E.O.GAMES) پروفیسر تاریخ مذاہب لندن یونیورسٹی کی فاضلانہ کتاب تاریخ مذاہب (HISTORY OF RELIGIONS) لندن (۱۹۵۶ء) صفحہ ۱۴۸ تا ۱۵۰

یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں، مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط و دیانتداری کے ساتھ، سندِ متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو، اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت و شذوذ) نہ ہو[1] اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں، ان کی ان کے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں، اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں، وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں، جن میں وہ نازل ہوئے تھے، اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی، بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آرہے ہیں، اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں... ہم تک پہنچے ہیں، اس لئے یہ درحقیقت سیرت و تاریخ کی کتابیں اور قصص و مواعظ کے مجموعے ہیں، اگر انھیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلاد ناموں سے یاد نہ کریں تو انھیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے، جن میں صحت و تحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا، انھیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے، اور ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نومسلم فرانسیسی مستشرق موسیو اتیلین دینیہ (EATON DIEN) نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی و تاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ:-

"اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی، وہ تو

---

[1] تفصیلات اور حدیث کی اقسام اور ان کے شرائط کے لئے وہ کتابیں ملاحظہ ہوں، جو اصول حدیث و اقسام و مصطلحات حدیث پر لکھی گئی ہیں، اور ان کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔

کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے، اور اب اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے یا وہ خود تلف ہو گئیں یا عمداً تلف کر دی گئیں اسی وجہ سے عیسائیوں نے ان کی جگہ چار تالیفات کو اپنا لیا، جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے، کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں، جس کا مزاج حضرت عیسیٰؑ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہود کی توراۃ اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے[1]۔

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات، اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں، جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے، جو اس کے جلال و کمال کے کسی طرح شایانِ شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں، جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں، اور جنھیں عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے، اس پر انبیاء پر ایسے اتہام والزام ہیں، جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد توراۃ وانجیل میں (جنھیں مجموعی طور پر بائبل (BIBLE) یا کتابِ مقدس[2] کہا جاتا ہے) الحاق و اضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے، جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے

---

[1] اضواء علی المسیحیہ ۵۲، ۵۳ [2] اپنے موضوع پر منفرد کتاب "اظہار الحق" جو مولانا رحمت اللہ کرانوی (م ۱۳۰۸ھ و مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتابِ مقدس کے ۱۲۲ لفظی اختلافات کی نشان دہی کی ہے اور ۱۰۰ ایسی غلطیاں شمار کی ہیں، جن کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔

"اظہار الحق" اصلاً عربی زبان میں ہے، ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروایا، اور اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہو گئی ہے۔

لگائے ہوئے ہیں، اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو "اہل کتاب" کا لقب اور امتیاز دیا، باقی رہے ہندوستان کے "وید" اور ایران کی "اوستا" تو ان کا زمانہ اتنا قدیم، ان کے بارے میں تاریخی معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے، اور ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک، ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دشوار، اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے

اے بارتھ (A.BARTH) ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پیرس (THE SOCIETE ASIATIQUE OF PARIS) اپنی کتاب "ہندوستانی مذاہب" (THE RELIGIONS OF INDIA)[1] میں لکھتا ہے:-

"اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کر دیں، جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف اصل عبارت باقی رہ جاتی ہے، جیسا کچھ یہ ہے بس اسی کا دعویٰ بھی کرتا ہے، یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے، اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ رکھتا ہے، اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے، پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، برہمنا (BRAHMAHAS) وہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کیے گئے ہیں، وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے نہیں ہیں، ویدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے، اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں

---

[1] طبع دہلی ۱۹۶۹ء ص ۴، ۵

کہا جا سکتا، اور اس کی قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے۔

خود ممتاز ہندو فضلاء اور ہندوستانی ماہرین فن و محققین ان صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو کس نتیجہ تک پہونچایا ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چندر چکرورتی (SURESH CHANDRA CHAKRAVARTI) لکچرر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب (PHILOSOPHY OF THE UPANISHADS) میں لکھتے ہیں:-

"اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک کی نمائندگی بال گنگا دھر تلک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکس مُلر (MAX MULLER) تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے جبکہ مکس مُلر (MAX MULLER) رگ وید کو ۱۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے .... رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں، لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے، اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔"[1]

---

[1] کلکتہ ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۴-۲۶

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھاکرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب "انڈین فلاسفی" (INDIAN PHILOSOPHY) جلد دوم میں لکھتے ہیں:-

"ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں، ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب منشا سند اخذ کر سکتے ہیں۔"[1]

رہا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابرٹ ایچ پفائفر (ROBERT. H. PFEIFFER) (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات (DEPARTMENT OF SEMITIC LANGUAGES) ہارورڈ یونیورسٹی این انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن[2] (AN ENCYCLOPEDIA OF RELIGION) میں لکھتے ہیں:-

"اہل اوستا (بلحاظ روایات) تمام علوم کا مجموعہ تھا، اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور پھر بچے کھچے اجزا سے ۲۱ حصوں یا نسک (NASK) پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی لیکن اس میں سے کل ایک جز یا نسک (NASK)

---

[1] طبع لندن ۱۹۲۷ء صفحہ ۲۱-۲۲ [2] طبع نیویارک ۱۹۴۵ء صفحہ ۴۹

جس کا نام وندیداد (VENDIDAD) ہے پوری طرح باقی بچا ہے نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان لے جایا گیا اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے، جن کے نام "یاسنا" (YASNA) بشمول گاتھا (GATHA) ویسپرد (VESPERED) وندید (VENDID) اور خوردہ اوستا (KHORDA AVASTA) ہیں۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور سب کا مصدق ونگراں ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے، تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے، اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے، اللہ تعالے نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی کمی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا، اور فرمایا ہے:۔

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ[1]	اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بنتے، حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہو جانے یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے، جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا، اسی لئے فرمایا:۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ[2]	بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے، اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

---

[1] حٰم السجدۃ ۴۱-۴۲ [2] الحجر ۹

اس وعدۂ حفاظت میں قرآن کے حفظ و بقا، اشاعت و فروغ، تلاوت کئے جانے، پڑھے اور سمجھے جانے، متروک و از کار رفتہ، و نا قابل عمل، نا قابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے، اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ "حفظ" بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالے نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا، تو اس کے لئے اللہ نے نفوس بشری، فطری اور خارجی اسباب، اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا، چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی، مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار گرتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی تھی، اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ و تلفظ کی نرمی و حلاوت کے علاوہ حفاظ و حاملین قرآن کے فضائل کی آیات و متواتر احادیث[1] کو بھی دخل تھا، اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز و عبادت، قانون و احکام، تمدن و معاشرت اور علم و ادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق، عشق و وارفتگی کی حد کو پہنچ گیا، اور آغاز اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہو گئی، چنانچہ واقعۂ بیر معونہ میں جو ۳ھ میں پیش آیا، مسلمانوں میں سے ایسے ستر آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ و عالم کہلاتے تھے[2]

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو "فضائل قرآن" از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ۔

[2] البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۷۱ بیر معونہ کی حدیث، حدیث مشہور ہے جسے بخاری و مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔

اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے اور یہ تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری ہے، مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں، اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال، اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے اس کی تلاوت اور اس کے ذریعہ عبادت کا وہ شوق و شغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا، البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں، ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے، اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا، جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے، تو انھیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقاء کو (اگر اس کا دار و مدار حافظہ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا، جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت کو سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی، چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفۂ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں[1] پر لکھا ہوا، اور لوگوں کے

---

[1] عربی میں لخاف کا لفظ آتا ہے، جو لخفہ کی جمع ہے، اور سفید و پتلے پتھروں کے معنی میں ہے، دوسرا لفظ عسب آتا ہے، جو عسیب کی جمع ہے، یہ کھجور کی وہ شاخ ہوتی ہے، جس پر پتیاں نہیں اگتیں۔

سینوں میں محفوظ تھا، اللہ تعالےٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور انھوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کر دی جنھوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کاتبینِ وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا اور اس طرح یہ قرآنی صحیفے وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع و اعتماد کا محور رہے، جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ و قاری مختلف ممالک میں پھیل گئے، اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرأت قبول کر لی اور اس طرح قرأت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے، نیز اہل عجم کے کثرت سے مسلمان ہونے سے لب ولہجہ میں فرق ہونے لگا اور صحابہ کو اس سے قرآن میں تحریف و تبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو ماخذ بنا کر قرآن کو قرأت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک ایک نسخہ فراہم کر دیا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا، جس کا نام "الإمام" تھا، قرآن کے انھیں نسخوں کو مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی عادی رہیں، انھوں نے قرآن حفظ کیا، اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور ۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف ہوا اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی[1] مسلمانوں کا اس جمع و تدوین

---

[1] مسٹر ای منگانا سابق استاذ مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں، "یورپ کی لائبریریوں میں قرآن کے بہت سے قلمی نسخے ہیں ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے، لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں البتہ طرز کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے" ایسا ہی خیال نولدیک (NOELDEKE) نے انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس صفحہ ۵۳۸، ۱۹ء / ۱۰ج میں ظاہر کیا ہے۔

کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے، اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء و حفاظ کی کثرت، اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ:-

"قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے"[1]

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعۂ وحی محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہو، وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں، چنانچہ ہم یہاں کچھ مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں، سر ولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہیں، جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خاں بانیٔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب "لائف آف محمدؐ" کے جواب میں "خطبات احمدیہ" لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں:-

"حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں، جن کے نتیجے میں حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے، اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے، جو اس بد قسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو، قرآن

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا عنوان "محمد"

میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی
ان اعراب کی وجہ سے ہیں جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔"[۱]

وہیری (WHERRY) اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ "تمام قدیم صحیفوں میں
قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص (PUREST) ہے۔"[۲]

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر (PALMER) کہتا ہے:۔

"حضرت عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ
رہا ہے۔"[۳]

لین پول (LANE POOLE) کہتا ہے:۔

"قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہر حرف
جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے
غیر مبدل رہا ہے۔"[۴]

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں پڑی
جو شک و شبہ کو ختم، حق و باطل کی تمیز اور کسی دروغ گو کے جھوٹ کا پردہ چاک کرے، اور
نہ کسی اور کتاب کی ضرورت واقع ہوئی جو منسوخ کتاب کی جگہ لے، جو تحریفات اور زیادتی
کا نشانہ بن چکی تھیں۔

---

[۱] SIR WILLIAM MUIR: LIFE OF MOHAMMED (1912) P XXII-XXIII

[۲] کمنٹری آف دی قرآن ج ا ص ۳۴۹ COMMANTA / OF THE QURAN

[۳] SELECTION FROM THE QURAN INTRODUCTION P. 70

[۴] THE KORAN P.C. (یہ شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی کی انگریزی تفسیر سے ماخوذ ہیں)

کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے

یہ ابدی کتاب، جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور بذات خود حقیقت کی میزان اور لوگوں کے لئے واضح اعلان و بیان ہے اور جس نے اصولِ دینی میں سے کسی اصل کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور جس پر دین و دنیا کی فلاح، اور سعادت و نجات موقوف ہے، کسی نئے نبی کی آمد کی اطلاع سے بالکل خاموش ہے، جب کہ یہ ایسا اہم معاملہ تھا کہ سکوت تو درکنار کسی گول مول اور مبہم بات کا بھی کوئی موقع نہ تھا، جو کتاب علامات قیامت کی بہت سی جزئیات اور اخیر زمانہ کے حوادث جیسے دخان[1]، دابہ[2]، یاجوج وماجوج[3] کا ذکر کرتی ہے، وہ اس نبی کا ذکر کیوں نہ کرتی جو اس امت یا کسی امت میں مبعوث ہونے والا تھا، اور اس کے لئے عقول و اذہان کو مانوس اور آمادہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کرتی (جو ہر نئی چیز سے بھاگتے اور بدکتے اور فرائض و ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑاتے ہیں) تاکہ وہ اسے خوش آمدید کہیں، اسکی دعوت قبول کریں، اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں، اس کے علاوہ قرآن و سنت کا دنیا و آخرت کے نفع کی طرف انتہائی توجہ و اہتمام کرنا اور نقصان رساں اور اللہ کے غضب کو بلانے والی چیزوں سے سختی سے روکنا اور اس کی شدید خواہش کہ مسلمان راہ راست پر رہیں، اور اپنے دین کو پیش آنے والے چیلنج (جو عقیدہ کو فاسد اور ان کے ایمان کو غارت

---

[1] يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ (الدخان ۱۰-۱۱)

[2] وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ (النمل ۸۲)

[3] حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ (الانبیاء ۹۶)

کرے) مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہیں، چنانچہ مسیح دجال کے بارے میں روایتوں اور اس آزمائش کے بیان سے احادیث کے مجموعے بھرے ہوئے ہیں، تو کیا خدائے عز وجل کی نازل کردہ کتاب اور اس نبی سے جس کے بارہ میں قرآن کہتا ہے کہ:-

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔[1]

تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

اس کی توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو تاریکی اور دھندلکے اور تباہ کن جہالت و حیرت کی حالت میں چھوڑ دے اور اس بڑے حادثہ اور عظیم واقعہ (نبوت جدیدہ) کی خبر نہ دے جو ان چیزوں سے کہیں اہتم بالشان تھی جنھیں زبان نبوت نے ذکر کیا، اور سنت کے ذخیرے جن کی تفصیلات سے پر ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں صریح و صحیح اور متواتر احادیث

پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن کے بیانات ہی پر اکتفا نہیں کیا جو اس دین کے مکمل ہونے اور آپ پر سلسلۂ نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں اس طرح آئے ہیں کہ عربی سے واقف شخص کے لئے کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے، جو فساد ذوق بدنیتی اور فتنہ پردازی کا شکار نہ ہو، بلکہ آپؐ نے امت کے لئے اس حقیقت کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں چھوڑی، اور نہ اس سے زیادہ شرح و تفصیل کا تصور ہوسکتا ہے،

---

[1] التوبہ ۱۲۸

اس کے لئے آپ نے نہایت بلیغ اور دلنشین مثالیں دیں، حدیث کی کتابیں ان روایات سے (جن کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور آخری نبی ہیں) بھری پڑی ہیں[1] ہم یہاں صرف پانچ حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں، جو صحاح میں وارد ہوئی ہیں تاکہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے سامنے یہ حقیقت جلوۂ صبح کی طرح روشن ہو جائے، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیأ کلما هلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء[2]	بنی اسرائیل کے نبی ان کے حاکم بھی ہوتے تھے اور جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی لے لیتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں، بلکہ میرے خلفاء ہوں گے۔
قال النبی صلی اللہ علیه وسلم ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی	نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور میرے پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے، جس نے

[1] محدث زمانہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے اپنی کتاب "عقیدۃ الاسلام" میں لکھا ہے کہ "ختم نبوت کے بارے میں دو سَو حدیثیں ہیں" (ص ۲۱۸) اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی کتاب "ختم نبوت" میں ایسی ۲۱۰ حدیثیں نقل کی ہیں، یہ تعداد اور بھی بڑھ سکتی ہے۔

مولانا محمود حسن خاں صاحب ٹونکی (متوفی ۱۳۶۶ھ) مصنف "معجم المصنفین" نے اپنی کتاب "معیار السنۃ ختم النبوۃ" میں احادیث اور علماء متکلمین و صوفیہ و اہل اصول کے اقوال کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، یہ کتاب اس موضوع کی ان چند بہترین کتابوں میں سے ہے، جو ہماری نظر سے گزریں۔

[2] صحیح بخاری کتاب المناقب باب ما ذکر من بنی اسرائیل و مسلم (کتاب الامارہ) مسند احمد، ابن ماجہ، ابن جریر اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

كمثل رجل بنى بيتاً فاحسنه واجمله
الا موضع لبنة من زاوية، فجعل
الناس يطوفون به ويعجبون
له ويقولون، هلا وضعت هذه
اللبنة، فأنا اللبنة وانا خاتم النبيين[1]

ایک خوبصورت گھر بنایا لیکن اس کے ایک
کونے کی ایک اینٹ چھوڑ دی اور لوگ اسے
گھوم گھوم کر دیکھتے، تعجب کرتے اور کہتے ہیں کر
یہاں پر یہ اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی تو میں وہی
اینٹ اور خاتم النبیین ہوں۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم
قال فضلت علی الانبیاء بست
اعطیت جوامع الکلم، ونصرت
بالرعب، واُحِلّت لی الغنائم و
جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً،
وارسلت الی الخلق کافة، وختم
بی النبیون[2]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اور
انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی
ہے مجھے جامع کلمے عطا ہوئے ہیں، رعب و
ہیبت سے میری مدد کی گئی ہے، مال غنیمت
میرے لئے حلال کیا گیا ہے اور زمین کو میرے
لئے عبادت گاہ اور پاک کرنے والی چیز بنایا
گیا ہے، میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں
اور مجھ پر سلسلہ انبیاء کو مکمل کر دیا گیا۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
ان الرسالة والنبوة قد انقطعت
فلا رسول بعدی ولا نبی[3]۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت
و نبوت منقطع ہو گئی تو میرے بعد نہ کوئی رسول
ہوگا نہ کوئی نبی۔

---

[1] صحیح بخاری (کتاب المناقب باب خاتم النبیین) اسے مسلم، احمد، ترمذی، ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے الفاظ
بخاری کے ہیں۔ [2] مسلم، ترمذی، ابن ماجہ [3] ترمذی نے کتاب الرؤیا میں روایت کی ہے اور صحیح حدیث
کہا ہے اور ابن کثیر نے کہا ہے کہ امام احمد نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

عن جبیر بن مطعم ان النبی	جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم قال انا محمد	نے فرمایا، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں محو
انا احمد وانا الماحی الذی یمحو	کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ کفر کو
اللہ بہ الکفر وانا الحاشر الذی یحشر	محو کرے گا اور میں حاشر ہوں کہ اللہ لوگوں کو
الناس علی عقبی وانا العاقب	میرے بعد حشر کے موقع پر اٹھائے گا اور میں
الذی لیس بعدہ نبی۔[1]	عاقب (بعد والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں

صحابۂ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم نبوت پر اجماع اور دعویٔ نبوت سے ان کی نفرت

ان واضح اور محکم آیات اور صحیح وصریح متواتر حدیثوں کے پیش نظر صحابہؓ کا اس پر اجماع ہے، اور ان کا اجماع قوی ترین شرعی دلائل میں سے ہے، کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ختم ہو گئی، اور اب کوئی نبی، (نبوت کے کسی بھی مفہوم میں) آنے والا نہیں؛ صحابہؓ اس لفظ کے مفہوم کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے؛ اسی لئے مسیلمہ کذاب کے خلاف قتال کرنے اور اسے کافر و مرتد قرار دینے پر بلا استثنا ان کا ہر فرد متفق تھا، حالانکہ مسیلمہ بھی نبوت محمدی کا اقرار کرتا تھا اور اذان میں اشہد ان محمدا رسول اللہ کہتا اور کہلواتا تھا[2] اسی طرح قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے اس پر عمل کو فرض کہتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کی من مانی تفسیر اور الہام کا دعویٰ بھی کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ نبوت محمدی میں اسے بھی شریک بنایا گیا ہے، اس طرح اس ضمنی نبوت کا دروازہ کھولنے والا تھا، جو شریعت محمدی کی تابع ہے

---

[1] بخاری ومسلم وابونعیم (فی الدلائل) [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۴۴

اور بعد کے زمانوں کے مدعیان نبوت گویا اسی کے تبع تھے، وہ یمامہ کی جنگ میں مارا گیا جس میں بارہ سو[۱۲۰۰] منتخب مسلمان شہید ہوئے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید کے نام حضرت ابوبکرؓ کے خط میں ذکر ہے[۱]، اسی طرح اسود عنسی بھی جس نے عہد نبوی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی زمانہ میں قتل کیا گیا۔

پھر ہر عہد میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد انقطاع نبوت پر اجماع رہا اور یہ کہ مدعی نبوت دین سے خروج کرنے والا اور مسلمانوں سے الگ راستہ بنانے والا ہے[۲]، یہ عقیدہ عالم اسلام میں ہر دور میں معروف و مشہور رہا اور مسلمانوں کے ان دینی عقائد کا ایک جزء بن گیا جنھیں وہ دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں، اور نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے آئے ہیں اور اس کے اثر سے مسلمانوں کی ذہنیت و طبیعت دعوائے نبوت کے سننے کی بھی روادار نہ تھی[۳]، اسی لئے مسلم معاشرہ میں متنبیوں کی تعداد عالم اسلامی کی وسعت، دین کے فہم اور

---

[۱] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۴ [۲] قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) نے اپنی مشہور کتاب "الشفاء" میں اس پر اجماع نقل کیا اور تفصیلاً لکھا ہے (الشفاء جلد ۲ ص ۲۷۰، ۲۷۱) اور علامہ شہرستانی (م ۵۴۸ھ) نے "الملل والنحل" جلد ۳ ص ۲۴۹، علامہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے "الاشباہ والنظائر" ص ۱۷۹، ملا علی قاری (م ۱۰۱۶ھ) نے "شرح فقہ اکبر" ص ۲۰۲ اور اکابر صوفیہ میں امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب "الیواقیت والجواہر" ص ۳۵ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور مسلمانوں کے معتبر علماء میں سے اگر کسی عالم سے اس کے برعکس نقل ہے تو وہ اس پر افتراء ہے یا اس کی کتاب میں الحاق و تحریف ہے، یا اس کی کسی عبارت کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کیا گیا ہے، یا اس کی اصل مراد (بالارادہ یا بلا ارادہ) غلط سمجھی گئی ہے۔
[۳] مدعیان نبوت کے ناموں کو تاریخ نے محفوظ کر دیا ہے، اور مسلمانوں نے ان کے نام متنبی (جھوٹا نبی) رکھ چھوڑا ہے، اور اس طرح یہ فضیحت و بدنامی ان کے نام کا جزء بن گئی ہے حتیٰ کہ (باقی ص ۲۴۹ پر)

دین کے قلیل علم اور مسلمانوں کی بھاری تعداد کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں پھر جب یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تاریخ اسلام میں بہت سے دور ذہنی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے بڑے انتشار اور اضطراب کے گذرے ہیں، ذاتی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے (مسلمانوں کی دینی افتاد طبع کو دیکھتے ہوئے) دعویٰ نبوت ایک مختصر راستہ اور جادو کا اثر رکھنے والا نعرہ تھا، تعداد کی اس قلت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے، اس کے برخلاف امم سابقہ کی تاریخ میں جغرافیائی رقبہ کے محدود ہونے اور پیروان مذہب کی قلیل تعداد کے باوجود، مدعیان نبوت کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔[1]

پھر جن لوگوں نے مسلمانوں میں نبوت کا دعویٰ کیا انھوں نے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کی، اور نہ اپنے پیروؤں کی کوئی معتد بہ تعداد بنا سکے، جس کا مسلمانوں کی جہالت اور مدعیان نبوت کی چالاکی و ذہانت کی وجہ سے قوی اندیشہ تھا، صحیح احادیث میں قیامت تک پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کی تعداد تیس سے زیادہ بیان نہیں کی گئی۔

یہ تعداد بھی امتداد زمانہ، امت کی وسعت، جہالت کی کثرت، اور عقائد کے اختلاف کو

(باقی صفحہ ۲۴۸ کا) تاریخ نے عربی کے مشہور ترین شاعر کو بھی نہیں بخشا جو اپنے زمانے کا ملک الشعراء اور امام ادب تھا، اور جس کا نام ابو الطیب احمد بن الحسین الکندی تھا، (م ۳۵۴ھ) چنانچہ "متنبی" کے لقب نے اس کے نام کو گم کر دیا ہے، اور اب اس کو ادبی و درسی حلقوں میں، بلکہ عوام و خواص میں اسی نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

[1] اس پر آئندہ مضمون میں مستقل گفتگو آئے گی۔

دیکھتے ہوئے بہت کم ہے، اور یہ مسلمانوں کے ذہن میں ختم نبوت کے عقیدہ کے راسخ ہونے اور ان کے رگ و ریشہ میں سما جانے کا اور ان واضح آیات اور صریح و متواتر و مشہور احادیث کا نتیجہ ہے، جو ختم نبوت کا اعلان کرتی ہیں۔

آٹھواں خطبہ

ختم نبوت

(۲)

ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت و رحمت ہے

جب انسانیت سن بلوغ کو پہنچ گئی تو حکمت الٰہی نے ختم نبوت کا اشارہ دیدیا، اب انسانیت اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی تھی جس میں وہ متعدد تاریخی اسباب کی بنا پر صدیوں سے رہ رہی تھی، اب وہ علم و تمدن باہمی تعارف، عالمی وحدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی، اور اس کی امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جغرافی تقسیم اور سیاسی اختلافات پر قابو حاصل کر لے گی، قبیلہ اور خاندان، قوم و وطن کے بجائے اب وہ کائنات وسیع انسانیت، عالمگیر ہدایت، اور مشترک علم و فن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی، سارے قرائن و شواہد بتا رہے تھے کہ اب انسانیت کی سعادت و فلاح اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنی زندگی کی بنیاد اس وحی پر رکھے جو خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہو چکی، اور اس عقیدہ اور شریعت پر کاربند ہو، ان اصول و کلیات اور ان احکام و حدود کی پابند ہو جو اس آسمانی صحیفے نے عطا کیں ہیں، جو صحف سابقہ کا

فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۔[۱]

رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آگھیرا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۔[۲]

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، تو ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب کیسا تھا۔

إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۔[۳]

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ۔[۴]

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کے لئے نصیحت کرنے والے (پہلے بھیج دیتے) تھے۔

سلسلۂ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہو گئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہو اور وہ سارے ضروری کام چھوڑ کر اس کی حقیقت معلوم کرنے، اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائیں، اس طرح محدود انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے بچا لیا گیا، اگر سلسلۂ نبوت قائم اور مزید قوانین اور جدید تعلیمات و ہدایات کے حصول کے لئے زمین کا آسمان سے رشتہ باقی رہتا، اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نبی یہ دعویٰ لے کر اٹھتا رہتا کہ اللہ اس سے خطاب کرتا ہے، اس کی طرف وحی آتی ہے اور وہ تبلیغ رسالت پر مامور کیا گیا ہے، وہ اپنے منکرین کو کافر قرار دیتا اور ان سے خوفناک جنگیں کرتا جس میں مطلق کسی رعایت اور فرق و استثنار کی گنجائش نہ ہوتی، اور دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں سے

---

[۱] الانعام ۱۰ اور الانبیاء ۴۱ [۲] الرعد ۳۲، [۳] ص ۱۴ [۴] الشعراء ۲۰۸۔

کاٹ کر سیکڑوں یا ہزاروں یا چند لاکھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی امت بنا لیا کرنا، اس طرح ہر تھوڑی مدت بعد اور اس وسیع دنیا کے کسی نہ کسی مقام پر پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کے بارے میں لوگ فیصلوں ہی میں الجھ کر رہ جاتے ان مدعیان نبوت میں کچھ دماغی مریض اور مخبوط الحواس ہوتے، کچھ پیشہ ور اور دکاندار قسم کے، کچھ ہوشیار لوگوں اور حکومتوں کے اغراض کے آلۂ کار، کچھ علم کی کمی اور عبادت و مجاہدہ کی کثرت کے سبب سے تلبیسات شیطانی اور فریب نفس کے شکار، یہ سب قسمیں ان مدعیوں میں پائی گئی ہیں، جن کا ازمنۂ سابقہ میں ظہور ہوا، اور عقل انسانی، زندگی کا وسیع تجربہ، نفسیات انسانی کا وسیع مطالعہ، سیاسیات اور حکومتوں کے وسیع مقاصد کا علم اب بھی ان کو بعید از قیاس اور ناممکن قرار نہیں دیتا، بلکہ علم جدید اور وسیع تجربہ کی روشنی میں ان کو سمجھنا اور آسان ہو گیا ہے۔

اگلے مذاہب میں مدعیان نبوت کی کثرت، عقیدہ کی سلامتی اور دین کی وحدت کے لئے خطرۂ شدید،

عہد عتیق (توراۃ) کا مطالعہ یہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ بہت سے طالع آزما، جاہ پرست، اور دینی قیادت کے حریص لوگوں نے نبوت و الہام اور عالم غیب سے براہ راست ربط و اتصال کے دعوے کئے اور اس سلسلہ میں جھوٹے سچے خوابوں کو بطور دلیل پیش کیا، جس نے یہودی معاشرہ میں شدید انتشار پیدا کر دیا، چنانچہ خود بنی اسرائیل کے صحیفوں میں اس کے خلاف بار بار آگاہی دی گئی، اور ان مدعیان کاذب کی طرف سے ہوشیار و خبردار کیا گیا، ہم یہاں چند اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔

• خداوند فرماتا ہے، دیکھ میں ان کا مخالف ہوں، جو جھوٹے خوابوں کو نبوت

کہتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں، اور انہی جھوٹی باتوں سے اور لاف زنی سے میرے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، لیکن نہ میں نے ان کو بھیجا نہ حکم دیا اس لئے ان لوگوں کو ان سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔"[1]

"پس تم اپنے نبیوں اور غیب دانوں اور خواب بینوں اور شگونیوں اور جادوگروں کی نہ سنو، جو تم سے کہتے ہیں کہ تم شاہ بابل کی خدمت گزاری نہ کروگے کیونکہ وہ تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں، تاکہ تم کو تمہارے ملک سے۔ آوارہ کریں اور میں تم کو خارج کردوں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔"[2]

"اور میں نے معلوم کرلیا کہ خدا نے اس کو نہیں بھیجا تھا لیکن اس نے میرے خلاف پیشگوئی کی بلکہ سنبلط اور طوبیاہ نے اسے اجرت پر رکھا تھا، اور اس کو اس لئے اجرت پر رکھا تھا تاکہ میں ڈر جاؤں اور ایسا کام کرکے خطا کروں۔"[3]

"اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا، کہ اے آدم زاد، اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں، ان کے خلاف نبوت کر، اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرتے ہیں، ان سے کہہ خداوند کا کلام سنو، خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں اور انھوں نے کچھ نہیں دیکھا۔"[4]

"ملک میں ایک حیرت افزا اور ہولناک بات ہوئی، نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں، اور کاہن ان کے وسیلہ سے حکم رانی کرتے ہیں، اور میرے لوگ ایسی حالت کو

---

[1] ارمیا باب ۲۳: آیت ۳۲، ۳۳۔ [2] ایضاً باب ۲۷: آیت ۹، ۱۰۔ [3] نحمیا باب ۶: آیت ۱۲، ۱۳
[4] حزقی ایل باب ۱۳: آیت ۱، ۲، ۳

پسند کرتے ہیں تم لوگ آخر میں کیا کرو گے؟"[1]

"کیونکہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ وہ نبی جو تمہارے درمیان ہیں، اور تمہارے غیب داں، تم کو گمراہ نہ کریں، اور اپنے خواب بینوں کو جو تمہارے ہی کہنے سے خواب دیکھتے ہیں نہ مانو کیونکہ وہ میرا نام لے کر تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں، میں نے ان کو نہیں بھیجا۔[2]"

یہود کے تاریخی مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ان "متنبیوں" کا سلسلہ "عہدنامہ قدیم" کی تدوین کے بعد بھی جاری رہا، اور خاص طور پر اس کی کثرت اس معاشرے میں ہوئی جس میں یہودی مظلومیت اور جبر و تعدی کا شکار رہے، چنانچہ یہودی معاشرہ ایسے "نجات دہندہ" کے انتظار میں رہنے لگا، جو اسے اس شرمناک حالت سے نکالے، اس کے دشمن سے بدلہ لے اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کرے، معاشرہ کے زخمی اور ٹوٹے ہوئے دل اور غم و غصہ کے جذبات سے ذہین و ناخدا ترس اور بے دین لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنے ذاتی مفاد اور سیاسی اغراض کو حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا، وہ اپنی ملت کے سامنے بشارتوں اور غیب دانی کے دعوؤں کے ساتھ آگئے، اور نئی نبوت کا جھنڈا بلند کیا، اس نے ان مایوس طبیعتوں پر جادو کا کام کیا، جو ایک طویل عرصہ سے قائم رہنے والے حالات سے تنگ آچکی تھیں، اور اس طرح ان کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی، عقائد کا اختلاف بڑھ گیا، بدعتوں کی کثرت ہوگئی، اور نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے اس صورت حال نے اصل یہودی تعلیمات کے لئے ایک بڑا خطرہ پیدا کر دیا اور غیرت و حمیت رکھنے والوں کو چونکا دیا، البرٹ، ایم، ہائمسن (ALBERT. M. HYAMSON)

---

[1] ارمیا باب ۵: آیت ۳۰-۳۱ [2] ایضاً باب ۲۹: آیت ۸/۹

امریکی برطانی جیوش ہسٹاریکل سوسائٹی کا ممبر "انسائیکلوپیڈیا مذہب و اخلاق" میں لکھتا ہے:-

"یہودی حکومت کی آزادی سلب ہو جانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے
خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلاوطنی کے تاریک ترین
زمانوں میں امید اور خوشخبری کے یہ پیغامبر خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے
یہود کو ان کے وطن، جہاں سے ان کے آباؤ اجداد نکال باہر کئے گئے تھے، واپس
لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں
ایسے مسیح ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے تھے، جہاں یہود پر ظلم و ستم
انتہا کو پہنچ جاتا تھا، اور اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہو جاتے تھے، اس قسم
کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، خصوصاً بعد کے زمانہ
میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا، اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم ہی عاری
ہوا کرتی تھیں، لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ
اور اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی
اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا، نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر
عیسائیت یا اسلام میں ضم ہو جاتے تھے۔"[1]

جھوٹی نبوتوں کا یہ سلسلہ شخصی، جماعتی، اقتصادی و سیاسی مصالح اور محرکات کے ساتھ حضرت مسیحؑ کے بعد تک جاری رہا، یہاں عہد نامۂ جدید کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جو مدعیان نبوت کی کثرت اور ان کے مفاسد کی نشاندہی کرتی ہیں:-

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (EINCYCLOPAEDIA OF RELIGION AND ETHICS) ص ۵۸۲

"انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، ان میں ایک نے جس کا نام آگبس تھا، کھڑے ہو کر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور کلودیس کے عہد میں واقع ہوگا۔"[1]

"اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو آگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا، اس نے ہمارے پاس آکر پولس کا کمربند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمربند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔"[2]

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو، جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔"[3]

"لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا، تاکہ موقع ڈھونڈھنے والوں کو موقع نہ دوں، بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں اس میں ہم ہی جیسے نکلیں، کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں۔"[4]

"اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو، بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔"[5]

"اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا، اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا، اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں، اور چھوٹے سے

---

[1] اعمال باب ۱۱: آیت ۲۷، ۲۸ ۔ [2] ایضاً باب ۲۱: آیت ۱۰، ۱۱ [3] انجیل متی باب ۷: آیت ۱۵ [4] کرنتھیوں کے نام دوسرا خط (باب ۱۱: آیت ۱۲) [5] یوحنا باب ۴۔

بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں[1]"

"اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پافس تک پہنچے، وہاں انھیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا[2]"

"خبردار کوئی تم کو گمراہ نہ کر دے کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے[3]"

باب ۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔

"کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں[4]"

"کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغابازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے کو مسیح کے رسولوں کے ہمشکل بنا لیتے ہیں، اور کچھ عجب نہیں، کیونکہ شیطان بھی اپنے آپ کو نورانی فرشتہ کا ہمشکل بنا لیتا ہے[5]"

عہد مسیح میں مدعیان نبوت کاہنوں اور ہدایت ربانی کے براہ راست حاصل ہونے کے دعویداروں کے بارے میں، ہم یہاں اس موضوع کے ایک ماہر خصوصی مسیحی فاضل کی شہادت نقل کریں گے، جس سے مسیحی علماء کی (آخیر دور میں ان مدعیان نبوت کی کثرت پر) تشویش اور سلامتی عقیدہ، وحدت دین اور پرامن زندگی کی خاطر فکرمندی ظاہر ہوتی ہے۔ ایڈون ناکس مچل (EDWIN KNOX MITCHELL) ہارٹ فورڈ (HART FORD) کے مدرسہ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر لکھتے ہیں:۔

---

[1] اعمال باب ۸: آیت ۹ [2] ایضاً باب ۱۳: آیت ۶ [3] متی باب ۲۴: آیت ۴-۵

[4] متی باب ۷: آیت ۱۶۔ [5] کرنتھیوں کے نام خط باب ۱۱: آیت ۱۳-۱۴

"ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM)
کے مدعی ہوتے تھے، بہت جلد بے اعتمادی پیدا کردی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں
کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح وبہبود کے گرد منڈلا رہا تھا تاہم ابھی کوئی
ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا، جو جانا پہچانا بھی ہوا اور ان مکاروں کا زور بھی
ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے اور
ان پر بذریعہ وحی اپنے رازہائے سربستہ منکشف کرتا ہے' ابھی تک کوئی ایسا
معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت
کا امتحان لیا جا سکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا، اور اگر یہ
دریافت نہ بھی ہوتا تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کر کے رہتا تاکہ اس کے ذریعہ مذہب
کو بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو الحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے،
اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے۔"

ہرموپاسٹر (HERMOPASTOR) کی تصنیف (MAND) اور اگنیشیس
(IGNATIUS) کی تصانیف جھوٹے نبیوں اور معلموں کے خلاف انتباہات
سے مملو ہیں' ڈائی ڈیک (THE DIDACHE) کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
کہانت کو ابھی تک آزادی حاصل تھی بلکہ شام یا مصر میں تو اسے خاصی شہرت بھی
حاصل تھی، اگرچہ وہ اکثر جعلی ہوتی تھی' اور مردود و مسترد قرار پاتی تھی' بہرحال
اب اس کی زندگی کے آخری دن تھے' کیونکہ جلد ہی اس کے نصیب میں بھی وہی عمومی
بداعتمادی اور مخالفت آنے والی تھی جس سے ان تمام اشخاص کو سابقہ پڑا تھا،
جو اپنے حق میں ماورائی حکمت سے سرفراز ہونے کے دعویٰ میں نہایت غلو سے

کام لے رہے تھے، عارفین (GNOSTICS) اور مارسین (MARCION) کے متبعین کے اپنے اپنے نبی اور اپنے اپنے کلیسا تھے، اور بعض اوقات ان میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا تھا، مونٹانزم (MONTANISM) کی تحریک بعض پہلوؤں سے پیغمبریت کو ہوا دینے والی تھی (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعویٰ نبوت کا سیلاب پھٹ پڑا ہے) یہ ایک ایسی سعی کے مرادف تھا جس کا مقصد عیسائیت سے متعلق ان ابتدائی حالات کا احیا تھا جن میں ہر مومن اپنی باطنی صلاحیتوں کے عطیۂ خداوندی کے اجاگر کرنے میں آزاد تھا۔

رفتہ رفتہ کلیساؤں نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی اور جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ حواریین کے ورثہ کو برقرار رکھنے کے لئے تعاون کیا جائے، اس طرح کہانت پر تحذیری ریکارڈ کے ذریعہ پابندی لگائی گئی، الغرض تمام ناپائیدار اور بے ضابطہ روحانی صلاحیتوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو کہانت کا ہوا، لات و گزاف، معجزات و شفائے امراض کا زور کم ہوتا گیا اور دوسری صدی عیسوی کے اختتام تک ان سب (بشمول کہانت) کی عنان کلیسا کے باضابطہ عہدہ داروں کے ہاتھ میں آگئی۔[1]

ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے

ختم نبوت اس دین کامل کا لازمی اور منطقی نتیجہ اور تقاضا تھا، جسے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے، اور جو عقائد و قوانین، اخلاقی و اجتماعی تعلیمات کے لحاظ سے

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ص ۳۸۳، ۳۸۴ (طبع ۱۹۳۹ء)

ہر طرح مکمل، اور ان صالح اور صحیح بنیادوں پر قائم تھا جن پر ہر زمانہ اور ہر مقام پر صالح معاشرہ اور صحت مند تہذیب قائم ہوتی ہے، اور فرد اپنی مطلوبہ تکمیل اور معاشرہ معراج ترقی و کمال پر پہنچتا ہے، اور اس فطری رفتار میں بغیر کسی قسم کی دقت و طوالت کے اپنے اعلیٰ مقاصد، کمال انسانی اور دین و دنیا کی جامعیت تک پہنچ جاتا ہے، اس کے ساتھ ہی قانون شریعت میں وہ کسی کمی، زندگی کے کارواں سے بچھڑ جانے اور فطرت کے جائز مطالبات کی تکمیل میں ناکامی کا شائبہ بھی نہیں پاتا، بلکہ شریعت اسلامی کو ہر زمانہ سے آگے اور صنعت الٰہی اور حکمت خداوندی کا ایک محیر العقول نمونہ پاتا ہے۔

کائنات کا مطالعہ اور اس وسیع دنیا میں سنت اللہ کا علم اور قوموں کے ماضی و حال کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے یہاں نہ اسراف ہے نہ کوتاہی بلکہ اس کے یہاں ہر چیز ایک خاص مقدار سے بنتی ہے، اور وہ اشیائے کائنات کو بھی ایک اندازے کے مطابق پیدا کرتا ہے، ہم کسی گوشہ میں جو کمی بیشی اور افراط و تفریط دیکھتے ہیں، وہ ہماری نظر کا قصور، ہمارے ناکافی علم کی دلیل ہے، کائنات اور عالم طبعی کے مقابلہ میں، عالم امر و تشریع باریک بینی و نزاکت اور تناسب و توازن کا زیادہ مستحق ہے، اس لئے کہ وہ غایت و مقصود ہے، اور کائنات اور عالم خلق وسیلہ اور ذریعہ — اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے اختتام کی کوئی نقلی دلیل نہ ہوتی، جب بھی نبوت محمدی کے بعد کسی نبوت جدیدہ کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش بالکل ایک غیر ضروری چیز، اور ہماری اس جانی پہچانی ہوئی سنت اللہ کے خلاف ہوتی، جو مخلوقات اور اس کائنات کے ہر گوشہ میں روز ازل سے کارفرما رہی ہے۔

دین اسلام کی زندگی و تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت

امت یا انسانوں کے کسی فرد کے لئے کسی بھی زمانہ میں یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ وہ مراتب یقین، قرب و وصول، رضا و مقبولیت، رجوع و انابت، تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا، البتہ اس کے اسباب دوسرے ہو سکتے ہیں، جیسے ضعف ارادہ و کم ہمتی، مادیت اور خواہشات کی پیروی، یا قرآن و حدیث سے ناواقفیت وغیرہ، ورنہ یہ دین تو زندگی، قوت و جدت سے پُر اور تمام دنیوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہے، جس پر محنت و عزم و اخلاص کے ساتھ عمل کے ذریعہ کوئی بھی انسان، قرب و بلندی اور کمال کے ان اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے، جن کے اوپر صرف نبوت کا مقام ہے۔

ہمارے سامنے اس کی کھلی دلیل خدا کی یہ معجزانہ اور ابدی کتاب ہے، جو قوت و حیات سے لبریز ہے، اور جس کی تازگی و شگفتگی میں نہ کوئی فرق پڑتا ہے، نہ اس کے عجائبات اور کرشمہ جات کی کوئی انتہا ہے، اور "نماز" بھی جو قوت و حیات سے بھرپور ہے، ایسی ہی چیز ہے، جو اللہ سے تعلق اور اس تک وصول اور ولایت و محبوبیت کے منازل تک پہنچانے میں دین کے شعبوں میں بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی اور ان دونوں چیزوں کے ذریعہ، ہر زمانہ میں اس امت کے مخلص اور صاحب عزیمت افراد، ایمان و یقین، علم و معرفت، ربانیت و روحانیت، قرب و ولایت کے اس مقام تک پہنچتے رہے ہیں، جہاں اذکیاء کی ذکاوت و ذہانت اور عقلاء و حکماء کے قیاس کی بھی رسائی نہیں، اور ایسے لوگوں کی تعداد حد شمار سے باہر رہی ہے۔

دین کے یہ دونوں سرچشمے اس امت کے افراد اور اس کی نسلوں کو برابر قوت نمو

حیات ونشاط، اور خالص روحانیت سے سیراب وشاداب کرتے رہے ہیں، اور ان کے ذریعہ یہ امت کسی نئی نبوت وبعثت سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی کے ہر دور اور تاریخ کے ہر مرحلہ میں خدا پرستانہ زندگی گزارتی اور قرآن ونماز سے قلب وروح کی تقویت پاتی رہی اور اپنے زمانہ کی طرف ہدایت ورہنمائی کا ہاتھ بڑھاتی رہی ہے، اسی لئے اللہ سبحانہ فرماتا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ[1]	اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین (پسند کیا) اسی نے... پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں شاہد ہو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا کے (دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔

پھر خود اس دین میں ہر مخالف دین چیز کے خلاف ابھارنے والی ایک عجیب قوت پوشیدہ ہے، جو ہر بے راہ روی اور انسانیت اور باقی ماندہ خیر وصلاح کو ضائع اور

---

[1] الحج ۷۸، یہ مضمون مصنف کی کتاب "ارکان اربعہ" سے ماخوذ ہے۔

تلف کرنے والی قوت کے خلاف بغاوت برپا کرتی ہے، اور باطل کے چیلنج کا جواب دینے اور شر و فساد کی قوتوں اور فساد و الحاد کے داعیوں سے لڑنے، دینی معیار کو برقرار رکھنے اخلاقی نظام کو کنٹرول کرنے، جابر بادشاہوں کے سامنے جان کا خطرہ مول لے کر کلمۂ حق کہنے، منفعتوں اور لذتوں کے ہم رنگ زمین دام سے بچنے، بدعات و خرافات، فتنوں اور گمراہیوں پر نکیر کرنے پر آمادہ کرتی ہے، خواہ اس میں جان و مال کا کتنا ہی خسارہ اور جسمانی تکلیف و اذیت کا کیسا ہی خطرہ کیوں نہ ہو، چنانچہ یہ کتاب مسلمانوں کو برابر عدل پر قائم رہنے اور اپنے اور اپنے والدین و اقرباء تک کے خلاف سچی گواہی دینے اور انھیں نیکی و تقویٰ سے تعاون اور گناہ و سرکشی سے عدم تعاون، جہاد فی سبیل اللہ، ملامت گروں کی ملامت سے بے پروائی، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے، اللہ اور اللہ والوں کا دوست بننے، شیطان اور اس کے اتباع و انصار سے لڑنے، دین کو دنیا کے بدلہ نہ فروخت کرنے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کی تلقین کرتی رہی ہے، اسی طرح صریح، صحیح اور قطعی حدیثیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور حسب استطاعت ہاتھ، زبان اور قلب سے جہاد کو واجب قرار دیتی ہیں اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک کرنے والے اور خدا کے دشمنوں، دین میں تحریف کرنے والوں اور بدعتیوں سے موالات اور مصالحت کرنے والوں کو وعید سناتی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں تواتر اور شہرت عام کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں، اللہ کی کتاب دنیا کے ہر مقام اور تاریخ کے ہر موڑ پر ایسے لوگ پیدا کرتی رہی ہے، جو جہاد و اجتہاد کا علم بلند کئے رہے، اور دعوت و اصلاح کی تحریکوں کی قیادت کرتے اور نتائج و انجام کی پروا کئے بغیر حق و باطل کے معرکوں میں اترتے رہے ہیں:۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ — تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ

مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا۔[1] ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

یہی وہ کتاب ہے جس نے مسلمانوں کو فساد و ضلالت کے دھاروں میں بہنے اور جاہلیت و بے اعتدالی کا ساتھ دینے سے روکے رکھا، کمزوروں میں نئی روح پھونک دی اور سوئی ہوئی ہمتوں اور بجھے ہوئے دلوں میں پھر ایمان اور غیرت و حمیت کے شعلے بھڑکا دیئے۔

تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کے اس طویل اور پر آشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہو گئی ہو، حقیقتِ اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو، امت اسلامیہ کا ضمیر بالکل بے حس ہو گیا ہو اور تمام عالم اسلام پر بالکل اندھیرا چھا گیا ہو، یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کے لئے کوئی فتنہ نمودار ہوا، اس کی تحریف اور اس کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا، مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا، کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آگئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا، اور اس کو میدان سے ہٹا دیا، بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں، جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں، لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے، ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے، کتنے آدمی ہیں، جو قدریت، جہمیت، اعتزال، خلق قرآن،

---

[1] الاحزاب ۲۳۔

وحدۃ الوجود اور اکبر کے دین الٰہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں؟ حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے، لیکن بالآخر حقیقتِ اسلام نے ان پر فتح پائی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور "سرکاری مذہب" علمی مباحث بن کر رہ گئے، جو صرف علم کلام اور تاریخ وعقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں، دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد، تجدید و انقلاب کی کوشش اور دعوت و اصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے، جتنی اسلام کی تاریخ اور ایسا ہی مسلسل ہے، جیسی مسلمانوں کی زندگی[1]

احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم و قوت پر عقیدۂ بقائے نبوت کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں جہاد و تجدید و اجتہاد، صحیح اقدار و معیار کو بازیافت کرنے، دین کو اس کے صحیح رخ پر ڈالنے، ظالم کا ہاتھ پکڑنے اور مظلوم کا ساتھ دینے کی روایت کے تسلسل میں امت اور خاص طور پر علماء کا اپنے آپ کو، حق و انصاف کی بحالی کا ذمہ دار سمجھنے، عدل کے معیاروں کو برقرار رکھنے، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے اور دین خالص کی دعوت دینے کو بڑا دخل ہے، امت اس کام کے لئے کسی نئے نبی کے مبعوث ہونے اور آسمان سے براہ راست رابطہ رکھنے والی کسی غیبی قوت کی نہ کبھی منتظر رہی اور نہ اس سلسلہ میں اس نے کسی پراسرار شخصیت کے ظہور یا ماورائے عقل و قیاس

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت جلد اول صفحہ ۲۱-۲۳

واقعہ کے انتظار میں سعی وعمل کو ترک کیا۔

لیکن جن اسلامی اور غیر اسلامی قوموں اور جماعتوں کا عقیدہ دوسرا تھا، انھوں نے اپنے آپ کو باطل اور شر کی طاقتوں سے لڑنے، حق وانصاف کو قائم کرنے کا ذمہ دار اور مکلف ہی نہیں سمجھا اور وہ صدیوں تک خواب وخیال اور آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا میں پڑی رہیں، بدترین حالات سے سمجھوتہ کرتی رہیں، اور کاہلی وبے فکری کی زندگی گزارتی رہیں، اور اس کے نتیجہ میں ان کی تاریخ میں تجدید واصلاح کی تحریک بہت کمزور پڑ گئی اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی آوازیں بہت پست ہوگئیں، ان اقوام کی تاریخ کا جاننے والا، اس خلا کے راز کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، (جو محض کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) لیکن اس کی وجہ اس طبقہ کے کسی پراسرار اور مقدس شخصیت پر اس حد سے بڑھے ہوئے اعتقاد میں مضمر ہے، جو ان کے خیال میں، علم اسرار ورموز، کسی پوشیدہ امانت کی حامل اور خالق کائنات وجناب رسالت مآبؐ سے وہ ربط نہاں رکھتی ہے، جو کوئی دوسرا نہیں رکھتا، وہ شخصیت ایک مناسب وقت پر اور ہنگامی حالات میں دنیا کے سامنے آجائے گی[1]

---

[1] اس عقیدہ اور انتظار کی بہترین مثال فرقۂ امامیہ کا "امام غائب" کے بارہ میں عقیدہ ہے، جو سلسلۂ ائمہ میں بارھویں امام ہیں، ان کے بارہ میں ان کا خیال ہے کہ وہ اپنی آمد سے زمین کو ظلم وجود سے پاک کر کے عدل سے بھر دیں گے، ان کا نام محمد المہدی ہے، اور وہ (امام حسن عسکری کے صاحبزادہ ہیں) وہ بغداد میں ۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے، اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ سامرا کے ایک تہ خانہ میں داخل ہوئے لیکن واپس نہیں لوٹے لیکن وہ اب تک زندہ وسلامت ہیں، ملاحظہ ہو "اصل الشیعہ واصولہا" (مصنفہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء ص ۲-۱۰۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نئے نبی یا متعدد جدید انبیاء کا قضیہ بقائے نبوت، نزول وحی اور خدا سے ہم کلامی و مخاطبت کے باقی رہنے کا عقیدہ، جس پر بعض مدعیان نبوت نے اپنی نبوت کی بنیاد رکھی، اور اپنے دعوی کی صداقت کے سلسلہ میں انھوں نے جس سے استدلال کیا، بڑی باریکیوں اور نزاکتوں کا حامل ہے، اس کا عقل و دماغ پر گہرا اثر پڑنا قدرتی ہے، یہ عقیدہ دین و شریعت کی دائمی صلاحیت اور اس کی ابدیت پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے، اور اپنی ذاتی صلاحیت و طاقت اور محنت و جانفشانی سے کام لینے کے جذبہ کو کمزور کر دیتا ہے، اس کے ماسوا اس عقیدہ سے یہ عظیم فتنہ پیدا ہوتا ہے کہ امت، دجالوں، جعل سازوں اور شعبدہ بازوں کا تختۂ مشق، اور... ان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔

"ختم نبوت" ملت اسلامیہ کے لئے اللہ کی رحمت اور احسان و عنایت ہے

اس امت پر اللہ کا ایک عظیم احسان و انعام اور اس کی خصوصیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے ہی یہ کھلا اور برملا اعلان کر دیا تھا کہ نبوت کا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر اختتام ہو گیا، اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا گیا، اب نہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ملت اسلامیہ کے بعد کوئی ملت ہو گی، یہ وہ نعمت تھی جس پر یہود کے علماء و عقلاء کو رشک ہوا تھا، جو یہودیوں میں مدعیان نبوت کی لائی ہوئی مصیبت، فکری انتشار، عقائد کے اختلاف، مذہبی کشمکش اور

جماعتی افتراق کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے، چنانچہ حدیث صحیح ہے کہ:۔

"ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیرالمومنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں، جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو ایک مستقل تہوار اور جشن کا دن بنا لیتے، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" اس پر حضرت عمرؓ نے کہا، مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے اور وہ گھڑی بھی اچھی طرح یاد ہے، جب یہ آیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، وہ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی۔"[1]

یہ روایت اس نعمت کی عظمت و جلالت کو بتاتی ہے جس پر یہود کے علماء کو بھی رشک آیا اور مسلمانوں کو انھوں نے حسد کی نگاہ سے دیکھا، اسی کے ساتھ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ادیان سابقہ اس اعلان وضمانت سے خالی ہیں، اور ان کو اس اعزاز و اعتماد کی وہ دولت حاصل نہیں جس سے اللہ تعالے نے امت اسلامیہ کو سرفراز کیا، جو ایک فطری امر تھا، اس لئے کہ وہ مذاہب نشو و نما کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے، اور اس کے ساتھ نسل انسانی بھی انقلاب و تغیر کی منزلوں کو طے کر رہی تھی، اور آخری رسالت کی خلعت فاخرہ (جو کسی بلند و بالا شخصیت کے لئے اور بڑے محتاط اندازے اور ناپ سے بنی تھی) ابھی اتری نہ تھی، اس خلعت سے اللہ تعالے نے بالآخر آخری رسول اور خاتم الانبیاء محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو نوازا، اور اس کے ذریعہ اس امت کو عزت دی جو آخری اور بہترین امت ہے۔

---

[1] بخاری، صحاح وسنن مسند احمدؒ، الفاظ مسند احمد کے ہیں۔

ختم نبوت فکری انارکی سے نجات

عقیدۂ ختم نبوت نے اس دین کو مبتدعین کے غلو، تلبیسیوں اور مدعیوں کے فتنے اور اس امت کو فکری و دینی انتشار اور اس انارکی سے برابر بچایا ہے جس کا اقوام و مذاہب شکار رہے ہیں، اسی عقیدہ کی بدولت یہ دین اور یہ امت اس قابل ہو سکی کہ خفیہ سازشوں کا مقابلہ کر سکے، سخت ترین جھٹکوں کو سہہ سکے، اور دین و عقیدہ کے سلسلہ میں ایک وحدت بن کر صدیوں برقرار رہے، ورنہ یہ "امت واحدہ" مختلف و متعدد امتوں میں بٹ کر رہ جاتی جس میں سے ہر ایک کا نقطۂ نظر مختلف، روحانی مرکز اور علمی و ثقافتی مآخذ جدا، اور ہر ایک کی تاریخ جداگانہ ہوتی۔

عقیدۂ ختم نبوت کا تمدن پر احسان

اس عقیدہ نے جہاں انسان میں اپنے سن بلوغ کو پہنچنے کا احساس و شعور پیدا کیا وہیں اس نے اسے تمدن کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور روزمرہ کی زندگی میں علم و تجربہ پر اعتماد کرنا بھی سکھایا، اس لئے کہ آج دنیا کو اس کی فرصت و ضرورت نہیں کہ اب وہ پھر کسی نئی آسمانی وحی کے لئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتی رہے، اب اس کی ضرورت یہ ہے کہ اس کائنات کے ذخیروں اور صلاحیتوں کے بارے میں سوچے جنھیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ انسان انھیں اپنے کام میں لائے، اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرے، اسی طرح اسے آج اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے بارہ میں سوچے اور ایک اچھی زندگی کی تعمیر کے لئے زمین کی طرف دیکھے جو دین و اخلاق کی بنیادوں پر قائم ہو، ختم نبوت کا عقیدہ انسان میں عمر جوئی اور

ترقی کا جذبہ پیدا کرتا، اسے اپنی صلاحیتوں سے کام لینا سکھاتا، اور اس کی محنت اور جدوجہد کی جولانگاہ بھی فراہم کرتا ہے۔

اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتا تو انسان اپنے اوپر اعتماد کو کھو بیٹھتا اور ایک مسلسل تذبذب کا شکار رہتا، اور بجائے زمین کی طرف دیکھنے کے اپنی نگاہیں آسمان ہی سے لگائے رہتا، اسی کے ساتھ وہ اپنے مستقبل کی طرف سے بھی مسلسل تذبذب اور بے یقینی کی حالت میں رہتا، اس کے گرد شک وشبہ کی فضا قائم رہتی اور وہ برابر مدعیان نبوت کی ابلہ فریبی کا شکار ہوتا رہتا، اور جب کبھی کوئی مدعی نبوت اس سے یہ کہتا کہ انسانیت کا چمن اب تک نامکمل اور غیر آراستہ تھا، میں نے آکر اس کی چمن بندی اور آراستگی کی[1]، تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ جب یہ چمن اب تک نامکمل تھا، تو مستقبل میں بھی اس کی تکمیل کی کیا ضمانت دی جا سکتی ہے؟

اور اس طرح ہر مرحلہ پر انسان اس شخصیت کا انتظار کرتا جو گلشن انسانیت کی تکمیل وتزئین کرتی اور اس انتظار کے سبب نہ وہ اس کے پھولوں اور پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا اور نہ اسے سیراب وشاداب کرنے کی فکر کرتا۔

علامہ اقبالؔ نے اپنی کتاب "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" میں بہت صحیح فرمایا ہے:۔

"اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا، اس کے شعور ذات کی تکمیل ہو گی، تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو

---

[1] مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا شعر ہے۔

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک　　میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ وبار

جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل و تجربہ پر زور دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے، کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔[۱]

مدعیان نبوت کا فتنۂ عظیم

تاریخ اسلام میں اسلام اور مسلمان مدعیان نبوت کے فتنہ سے زیادہ کسی بڑے اور نازک فتنہ سے دوچار نہیں ہوئے، لیکن اکثر ایسے مدعیوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہ حباب کی طرح اٹھے اور بیٹھ گئے لیکن برصغیر ہند میں انیسویں صدی کے اواخر و بیسویں صدی کے اوائل میں دعوئ نبوت کرنے والے مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۴۰-۱۹۰۸ء) کا معاملہ بعض سیاسی وجوہ سے مختلف ہے۔[۲]

دنیا میں مکالمت و مخاطبت الٰہی اور رویت باری کا فتنہ

اسلامی اور غیر اسلامی، فلسفہ، تصوف کی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ عالم غیب سے ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ تعلق قائم کرنے کی کوشش اور نامعلوم آوازوں کو ندائے غیب و الہام سمجھنا اور ان کی بنا پر دعوے اور دعوت کی بنیاد رکھنا ہمیشہ سے اوہام و مغالطہ اور انتشار و تضاد کا دروازہ کھولتا رہا ہے جس کے ذریعہ ارادی یا غیر ارادی طور پر بڑی بڑی گمراہیاں راہ پاتی رہی ہیں، ان آوازوں کا سرچشمہ کبھی نفس انسانی، کبھی ماحول،

---

[۱] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ترجمہ سید نذیر نیازی (ص ۱۹۳-۱۹۴ لاہور ۱۹۵۸ء)

[۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "قادیانیت"

اور کبھی وسوسۂ شیطانی ہوتا ہے[1]، ان میں کبھی خود اپنی خواہشات و تخیلات کبھی عادات و مالوفات تعلیم و تربیت، رسم و رواج اور گرد و پیش میں پھیلے ہوئے مشہورات و مسلمات، اور عقائد و خیالات کی کارفرمائی اور جلوہ گری ہوتی ہے، جن کے ماحول میں اور جن کے زیر اثر اس صاحب الہام یا صاحب کشف کا نشو و نما ہوا تھا، اور وہ اس کے تحت الشعور میں جاگزیں ہو گئے تھے، جو لوگ اس راہ کے نشیب و فراز سے واقف ہیں، اور جن کو اس کا عملی تجربہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ الہام و کشف میں عادات و معتقدات کے اثر سے بالکلیہ آزاد ہونا اور ان کا اثر مطلق قبول نہ کرنا اور ان غیبی چیزوں کے اخذ کے وقت ماحول سے

---

[1] اس امکان کی طرف علامہ اقبال نے جو عصر جدید میں فلسفہ کے عمیق النظر عالم اور مزشناس تھے بڑا بلیغ اشارہ کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے:۔

> "میں یہ ضرور کہوں گا کہ بانی احمدیت نے ایک آواز سنی، لیکن اس امر کا تصفیہ کہ یہ آواز اس خدا کی طرف سے تھی جس کے ہاتھ میں زندگی اور طاقت ہے یا لوگوں کے روحانی افلاس سے پیدا ہوئی، اس تحریک کی نوعیت پر منحصر ہونا چاہیئے، جو اس آواز کی آفریدہ ہے اور ان افکار و جذبات پر بھی جو اس آواز نے اپنے سننے والے میں پیدا کیے"

آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

> "پس میرے خیال میں وہ تمام ایکٹر جنھوں نے احمدیت کے ڈرامہ میں حصہ لیا ہے، زوال اور انحطاط کے ہاتھوں میں محض سادہ لوح کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے (حرف اقبال ص ۱۵۷-۱۵۸)

اس مفہوم کو علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں زیادہ بلیغ انداز سے ادا کیا ہے، فرماتے ہیں ؎

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے — غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

متاثر نہ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

جو شخص بھی ہدایت و نجات و کمالِ ایمان کے لئے ان مکالمات الٰہیہ اور مخاطبت ربانیہ یا رویت باری[۲] کو شرط بتاتا اور اس پر کسی نئی نبوت یا دعوت کی بنیاد رکھتا ہے،

---

[۱] اس مضمون کو امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ-۱۶۲۴ء) نے اپنے مکاتیب میں تفصیل سے بیان کیا ہے اور جا بجا بلیغ اشارات فرمائے ہیں، جو ذاتی تجربہ اور گہری واقفیت پر مبنی ہیں، ان کے نزدیک عقل خالص اور کشف خالص دونوں نہایت نادر الوقوع اور نادر الوجود چیزیں ہیں عجیب توارد اور حیرت انگیز بات ہے کہ ان سے تقریباً دو سو سال بعد مشہور جرمن فلسفی امینول کانٹ (EMMANUAL KANT) ۱۷۲۴-۱۸۰۴ نے عقل کے خالص اور مجرد ہونے اور اس کی ماحول وراثۃ اور عادات و معتقدات سے آزاد ہو کر بے لاگ فیصلہ کرنے کی صلاحیت میں بہت شک و شبہ کا اظہار کیا ہے، ملاحظہ ہو اس کی کتاب "تنقید عقل خالص" (CRITQUE OF PURE REASON) مجدد صاحب نے اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر کشف خالص اور الہام خالص کے مشکل و نادر الوجود ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے، اس لئے کہ وہ اس کوچہ سے بھی آشنا بلکہ اس کے رہ نورد و رہنما رہے ہیں (ملاحظہ ہو مکتوب ۲۶۶ بنام خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہؒ)

[۲] جیسا کہ سید محمد بن یوسف حسینی جونپوری (۸۴۷-۹۱۰ھ) امام فرقہ مہدویہ نے دعویٰ کیا کہ "انسان اگر اس دنیا میں دیدار الٰہی سے مشرف نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کو قلب یا چشم سر سے خواب یا بیداری میں نہ دیکھے تو مومن نہیں" اس خیال نے دسویں صدی ہجری کے مسلم معاشرہ میں جو ہندوستان کے مشرق سے افغانستان کے مغرب تک پھیلا ہوا تھا ایک انتشار پیدا کر دیا، اور عام مسلمانوں علماء و سلاطین کے لئے سب سے بڑا موضوع بحث بن گیا، حالانکہ سید محمد موصوف صدق و عزیمت میں پایۂ بلند رکھتے تھے، بڑے قوی الاستعداد، صاحب تاثیر بزرگ تھے، دعوت الی اللہ، ہجرت فی سبیل اللہ، (باقی صہ ۲۷۷ پر)

وہ ایک غیر لازم چیز کو لازم قرار دیتا اور اس دین پر (جو تمام انسانوں کے لئے عام ہے) بڑا ظلم کرتا اور دین کی سہولت و سادگی اور عالمگیری و آفاقیت کو مجروح کرتا اور فساد و کشمکش اور انارکی کا ایک بڑا دروازہ کھول دیتا ہے، جیسا کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے کیا، انھوں نے "مکالمات و مخاطبات الٰہیہ" کو مذہب کی صداقت کی شرط اور اتباع و مجاہدات کا قدرتی نتیجہ قرار دیا، اور یہ کہا کہ جس مذہب میں مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا سلسلہ جاری نہ ہو، وہ مذہب مردہ اور باطل ہے، بلکہ شیطانی مذہب ہے، اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور جس مذہب کے پیرو زہد و مجاہدہ کے باوجود اس دولت سے سرفراز نہ ہوں، وہ گمراہ، محروم اور نابینا ہیں[1]۔

یہ دعویٰ علمی اور عقلی حیثیت سے اتنا کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس پر زیادہ شرح و بسط سے کلام کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، ناظرین کے لئے یہی کافی ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے جو نبوت محمدی کا اولیں کارنامہ اور قرآن کے فیض و تربیت کا شاہکار اور تاریخ انسانی کی مثالی نسل تھے اور جن کی کوششوں سے اسلام دنیا میں پھیلا انھوں نے ان "مکالمات و مخاطبات" اور چشم و دل سے

(باقی ص ۲۷۶ کا) ایثار و زہد اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں ان کے زمانہ میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، لیکن ان کو کشف و الہام کے سلسلہ میں مغالطہ ہوا، اور انھوں نے اپنے بارے میں کھلے طریقہ پر دعویٰ کیا کہ وہ "مہدی موعود" اور مہدی آخر الزماں ہیں، جن کے متعلق حدیثوں میں خبر دی گئی ہے، انھوں نے اس دعوے اور دعوت میں نہایت غلو سے کام لیا، اور مسلمانوں کے لئے وہ چیزیں ضروری کر دیں جنھیں اللہ نے ان پر نہ فرض کیا تھا نہ اس کا مطالبہ کیا، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں وہ کتابیں جو ان کے اصحاب و متبعین نے تصنیف کیں یا ان کا اردو خلاصہ "حیات پاک" از مولوی محمود دیداللّٰہی مہدوی)

[1] ملاحظہ ہو براہین احمدیہ حصہ پنجم از مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ص ۱۸۳

رویت باری کا کوئی دعویٰ نہیں کیا، اور نہ تاریخ نے ان کی طرف کسی ایسے دعوی کا انتساب کیا، اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس دولت کے حصول کے لیے ان کے اندر کسی سابقت یا مقابلہ کا جذبہ تھا، اور نہ اس کا ذکر آتا ہے کہ ان کو اس دولت سے محروم رہنے پر کوئی تاسف یا حسرت تھی تو پھر وہ لوگ کس شمار و قطار میں ہیں، جو ان کے بعد کے ہیں، اور دین و علم میں ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہونچتے۔[1]

تاریخ میں بارہا دیکھا گیا ہے کہ ہر وہ غالی تحریک جو ان جیسے دعووں اور مفروضات اور شخصی تجربات کی بنیادوں پر قائم ہوئی اس نے ایک غالی اور متشدد جماعت پیدا کر دی، جو رفتہ رفتہ سواد اعظم سے کٹ گئی اور مسلمانوں کی تضلیل و تکفیر اس کا شعار بن گیا، بالآخر اس نے ایک اور نئے مذہب کی شکل اختیار کر لی اور مسلمانوں کے لئے ایک نیا مسئلہ سامنے آگیا جس کی عقدہ کشائی میں بڑے بڑے مسلمان دانشوروں، عالموں اور رہنماؤں کی بہترین ذہانت اور قوت صرف ہوئی اس کے بعد بھی اس انتشار کا پورے طور پر خاتمہ نہیں ہو سکا۔[2]

اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور اجتماعی ہدایت

اللہ تعالٰے نے اس امت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے، جو ہر قسم کے خطرہ اور ضرر اور انفرادی کمزوریوں اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "قادیانیت" باب چہارم فصل دوم ص ۱۹۱ تا ۱۹۵ طبع دوم

[2] حال میں حکومت پاکستان نے اس مشکل کو، قادیانی جماعت کو مسلمانوں سے الگ کر کے اور سرکاری طور پر انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دے کر حل کرنے کی کوشش کی ہے جس کا مسلم جماعتیں عرصہ سے مطالبہ کر رہی تھیں، یہ خبر اس مقالہ کے تحریر کے وقت ملی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک اور اہم مسئلہ آتا ہے، اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، یا زمانہ کے تغیر اور حالات کے تقاضہ سے کوئی نئی ضرورت سامنے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ علماء مخلصین کے ایک معتد بہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور ارادہ قوی کے مالک ہوتے ہیں، اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے، اور ہمہ تن ان کو اس طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو اس کام کے لئے مامور اور عند اللہ مسئول سمجھنے لگتے ہیں، ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید الٰہی اور نصرت غیبی نظر آتی ہے، اور وہ دل کی گہرائی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہیں، یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے اجتماعی الہام یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے، اور تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے پر ہے۔

کبھی یہ الہام معدودے چند اصحاب کو ہوتا ہے، جیسا کہ اذان کے واقعہ میں عبد اللہ بن زیدؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے، اور دونوں کو خواب میں کلماتِ اذان کی تلقین کی گئی، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصویب فرمائی، اور اذان کو شرعی حیثیت دیدی، جو آج تمام عالم اسلام میں رائج ہے[1]، اور جیسا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں پیش آیا جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ "چند صحابہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھیں خواب میں لیلۃ القدر کو رمضان کی اخیر سات راتوں میں دکھایا گیا تھا، تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں، تو

---

[1] ملاحظہ ہو وہ طویل حدیث جس کی ابو داؤد، ترمذی اور دارمی و ابن ماجہ نے تخریج کی ہے۔

جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہے، وہ انھیں سات راتوں میں تلاش کرے۔"

اور اسی کے قریب صلوٰۃ تراویح کا معاملہ ہے، جس کی اصل نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جسے آپؐ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب نہ بن جائے[1] مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت قائم کر دی، حضرت عمرؓ کا یہ فعل الہام الٰہی پر مبنی اور آسمانی رہنمائی کا نتیجہ تھا، اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا، اللہ تعالے نے مسلمانوں میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن کا شوق پیدا کر دیا، جو حفظ و حفاظت قرآن کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوا، اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا بڑا داعیہ پیدا ہو گیا اس سلسلہ میں اہل سنت جنھوں نے سنت تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنھوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے، جو حفظِ قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔

اور کبھی یہ الہام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور جم غفیر کو ہوتا ہے جس کا کسی امر پر متفق یا کسی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جانا محض اتفاقی واقعہ یا کسی سازش کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا، ان کی اس کوشش سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچتا ہے، یا اس سے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی خلا پر ہوتا ہے، یا کسی مہیب فتنہ یا رخنہ کا سد باب ہوتا ہے یا دین کے عظیم مقاصد میں سے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

اس طرح کے مبارک اجتماعی الہام کی مثال (جو بے شمار راسخ العلم علماء اور مخلص و باعمل لوگوں کو ہوا) حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں قرآن کو مصاحف میں جمع کرنا اور قرآن والے

---

[1] ملاحظہ ہو روایت بخاری عن عائشہؓ جو "باب فضل من قام رمضان" میں نقل ہوئی ہے۔

ثانی اور اس کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے جمع و تدوین کا کام، مجتہدین کا استنباط احکام اور جزئیات فقہ کی تفریع، علم نحو و قرأت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر، کتابوں کی نشر و اشاعت وغیرہ اس اجتماعی الہام کی بہترین مثالیں ہیں، جس کے ذریعہ دین اور امت کی یہ اہم ترین ضرورتیں پوری کی گئیں، اور آنے والے خطرات کا سد باب کیا گیا۔

تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی نفس و شیطان کے مکاید کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسبت باطنی کے حصول کے ذرائع و طرق کی تشریح و ترتیب، جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھی، اور جس کا عرفی و اصطلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ پر پہنچا دیا، اور اس کو ایک بڑی عبادت اور وقت کا جہاد قرار دیا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب و نفوس کی مردہ کھیتیوں کو زندہ کیا اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلصین علماء ربانیین اور ان کے تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل و عریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند، اور برِ اعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی، اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان و یقین اور عمل صالح کی روح پھونکی، اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا، جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر

تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

اسی اجتماعی الہام کی ایک مثال گمراہ فرقوں، ملحدین و مشککین، تعطل اور بے عملی کی دعوت دینے والے فلسفوں اور تخریب پسند تحریکوں کی تردید و ابطال کا کام بھی ہے جس کے لئے مسلمانوں میں سے علم و دیانت، فکری صلاحیت اور ایمانی قوت میں امتیاز و تفوق رکھنے والے افراد میدان میں آئے اور انھوں نے ان دعوتوں اور فلسفوں کو بے نقاب کر دیا، مسلمانوں کو ان کے برے اثرات سے بچالیا، یہ سب کارنامے الہام ربانی کا کرشمہ ہیں، جس سے تاریخ اسلام کے ہر مرحلہ اور علم و تہذیب کے ہر مرکز میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مشرف و سرفراز کی گئی، اور جو اس امت پر جو آخری امت اور انسانیت کا مرکز امید ہے، خدا کی عنایت اور اللہ کے نزدیک اس کے بلندی مرتبہ کی دلیل ہے، اور یہ غیر منقطع الہام اور مسلسل مدد الٰہی اور ختم نبوت اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے منقطع ہونے کی روشن دلیل ہے، جس کی اگلی امتوں میں کوئی واضح اور مسلسل نظیر نہیں ملتی، اس لئے کہ انھیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ سلسلۂ نبوت قائم اور کار نبوت باقی تھا۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی

جو فکری انتشار اور بے چینی ان فرضی نبوتوں سے پیدا ہوتا اور ان سے جس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہوتی ہے، وہ ہر مسلمان کے لئے باعث تشویش و اضطراب ہے، اس زمانہ میں جو لادینیت و الحاد کا دور کہلاتا ہے، لوگ "انا الحق" کہنے کے عادی نہیں رہے، لیکن اگر کہیں عالم اسلام میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پرجوش وکیلوں کے اثر سے نبوت کا شوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں

"علم نبوت" کے بلند کرنے والے افراد پیدا ہونے لگیں اور وہ اپنی دعوت کے منکروں کی تکفیر کرنے لگیں .... تو اس کا نتیجہ سوائے فکری اضطراب و انتشار، دینی انارکی اور خیالات کے ٹکراؤ اور عالم اسلام کے مختلف چھاونیوں اور بلاکوں میں تقسیم کے سوا کیا نکلے گا؟ اور کیا یہ امت جو رنگ و نسب اور قوم و وطن کی ہر عصبیت مٹا کر اسلامی اخوت کو زندہ کرنے کے لئے آئی تھی، تفریق و تکفیر اور چھوٹی چھوٹی دینی عصبیتوں کا شکار نہیں ہو جائے گی[1]

قادیانیت کے اس خطرہ کو مولوی محمد علی صاحب لاہوری امیر جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لاہوری نے بھی محسوس کر لیا اور پوری شدت و وضاحت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار بھی کیا تھا لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکے کہ اس دروازہ کو کھولنے والے ان کے امام مرزا غلام احمد ہی ہیں، جن کو وہ مجدد و مصلح اور مہدی و مسیح موعود تسلیم کرتے ہیں، وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بقائے نبوت کے خیال کو تحریک و دعوت کی شکل دیدی۔ محمد علی لاہوری صاحب اہل بصیرت و انصاف کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"خدارا غور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں[2] صاحب کا درست ہے کہ نبی آتے رہیں گے

---

[1] فلسفی شاعر علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی دقت نظر ان کے اس تاریخی جملہ سے عیاں ہوتی ہے کہ "ہم یہ مانتے ہیں کہ اسلام خدا کا وحی کردہ دین ہے، لیکن امت اور معاشرہ کی صورت میں اسلام کا وجود محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اس عقیدہ پر موقوف ہے کہ وہ آخری رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور یہ نکتہ دین اسلام اور دوسرے ادیان کے درمیان ایک سرحدی خط (LINE OF DEMA-RCATION) کی حیثیت رکھتا ہے"۔

[2] میاں بشیر الدین محمود مراد ہیں جو بقا و تسلسل نبوت کے قائل و داعی تھے۔

اور ہزاروں نبی آئیں گے[1] جیسا کہ انھوں نے بالصراحت "انوارِ خلافت" میں لکھ دیا ہے تو یہ ہزاروں گروہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے یا نہیں! اور اسلامی وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی مان لو کہ وہ سارے نبی احمدی جماعت میں ہی ہوں گے، پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ آخر گذشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو، کس طرح نبی کے آنے پر ایک گروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے، وہ خدا جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کل دنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں، اور آپس میں کوئی تعلقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے ہوں، یاد رکھو اگر اسلام کو کل ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ سچا ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آسکتا کہ ہزاروں نبی اپنی اپنی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ لئے پھرتے ہوں اور ہزارہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں ہوں جن کے پجاری اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں، اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر اور بے ایمان قرار دے رہے ہوں[2]۔"

حاصل یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت اور انسان کو بذریعہ وحی و ملائکہ و جبرئیلؑ انسانوں کو عقائد و شرائع کی تعلیم کے سلسلہ کے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم پر اختتام اور آپ کے خاتم الرسل، دانائے سُبل اور مولائے کل ہونے کا یقین، اللہ تعالےٰ کی اس امت پر

---

[1] میاں صاحب اس عقیدہ کے مصنف یا موجد نہیں ہیں، انھوں نے صرف مرزا صاحب کی ترجمانی کی ہے۔ [2] رد تکفیر اہل قبلہ صہ ۴۹۔۵۰

بڑی نعمتوں اور عطیوں میں سے ایک نعمت اور عطیہ اور خانوں میں بٹی ہوئی انسانیت کے لئے ایک رحمت ہے، جس کے ذریعہ اس کی کوشش اور طاقت کو صحیح مصرف میں لگانے کا انتظام کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اور اس کی وحدت و اصلیت اور قوت کی حفاظت کرنے والا، اسے اپنے اور اپنے دین کی ابدیت و صلاحیت پر اعتماد پیدا کرنے احتساب کائنات کی دائمی ذمہ داری عائد کرنے، اصلاح و تجدید اور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اللہ کے راستہ میں جدوجہد جاری رکھنے کا ضامن ہے، اور یہی وہ ٹھوس بنیاد ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

اسلام کے بدترین دشمن

جو کسی نبی و نبوت کا، (اس کے کسی بھی مفہوم میں) مدعی یا داعی، اور علم بردار ہو، وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اسلام کے بدخواہوں اور مخالفین کا بہترین معاون اور آلۂ کار ہے، اور تاریخ اسلام، اس کے جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتی، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ ۚ

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص کہ یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالےٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں، اور اگر آپ اس وقت

اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ وَكُنۡتُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهٖ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكۡتُمۡ مَّا خَوَّلۡنٰكُمۡ وَرَآءَ ظُهُوۡرِكُمۡ‌ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمۡ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ اَنَّهُمۡ فِيۡكُمۡ شُرَكٰٓؤُا ‌ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيۡنَكُمۡ وَضَلَّ عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ ۝[1]

دیکھیں جبکہ یہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو، آج تم کو ذلت کی سزا دی جاوے گی، اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں لگاتے تھے، اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے، اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آگئے جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا، اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے، اور ہم تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں، واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ سب تم سے گیا گزرا ہوا۔

---

[1] الانعام ۹۳، ۹۴۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کی نئی اور اہم تصنیف

دریائے کابل سے دریائے یرموک تک

مغربی ایشیا کے چھ مسلم و عرب ممالک کے اس معلوماتی و دعوتی دورے کی مفصل روئیداد و ڈائری، جو مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی نے حال ہی میں کیا تھا۔ اس کتاب میں ان ممالک کی دینی، فکری، سیاسی و اقتصادی صورت حال کی سچی تصویر آگئی ہے، اس میں ملت اسلامیہ کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکتی ہیں، امیدوں اور اندیشوں کا ملا جلا مرقع، اور تاریخ کے صدہا صفحات کا نچوڑ، بعض اہل نظر کا کہنا ہے کہ اس نصف صدی کے اندر جو چند فکر انگیز کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں اس کتاب کا ممتاز مقام ہے

کتابت و طباعت معیاری، گرد پوش اعلیٰ، مفصل اشاریہ (انڈکس)

صفحات ۳۰۴، قیمت مجلد ۱۴/-

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دارالعلوم ندوۃ العلماء)

مولانا مدظلہٗ کی اہم اصلاحی تقریریں

پیام انسانیت ۔ پبلک جلسوں کی پانچ اہم تقریریں جن میں زندگی کے مسائل پر نئے طرز سے سوچنے اور نئے طریقہ پر کوشش کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ قیمت ۲/۵۰

مقام انسانیت ۔ مخلوط اجتماعات کی پانچ اہم تقریریں قیمت -/۲

قادیانیت ۔ اسلام اور نبوت محمدی کے خلاف ایک بغاوت اردو و انگریزی -/۱

محسنِ عالمؐ ۔ مولانا کی ایک تازہ اور اہم تقریر جو ۲۱ مئی ۱۹۷۵ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں کی گئی تھی، اور جس میں تاریخی حقائق و واقعات کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم صحیح معنی میں رحمتِ عالمؐ اور محسنِ انسانیت ہیں، اور آپ کا احسان نسل انسانی اور تمدن و تہذیب پر ناقابل فراموش اور ناقابل انکار ہے۔ اردو قیمت ۱/۵۰ انگریزی -/۲

اسلام ۔ مکمل دین، مستقل تہذیب اردو -/۸۵ انگریزی ۱/۵۰

ایک بہتر سماج کی تشکیل میں اسلام کیا حصہ لے سکتا ہے؟ اردو -/۱ انگریزی -/۲

انسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق " -/۷۵ " -/۱

دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں " -/۷۵

عصر جدید کا چیلنج اور اس کا جواب " -/۸۵

خواص ۔ ملت میں ان کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں " -/۵۰

محبت فاتح عالم " -/۲۵

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(دار العلوم ندوۃ العلماء)